U3167. 5-12-09

Title - MAJALISUN NISA

Creator - Khwaja Altaf Hussain Hali.

Publisher - Maktaba Jamia (Delhi).

Date - 1971

Pages - 152

Subjects - Urdu Novel.

سلسلۂ تصانیفِ حالی
نمبر ۲

مجالس النسا

جسکو

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسینؒ حالی مرحوم

نے

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لیے تالیف کیا

حصۂ دوم

سنہ ۱۹۲۴ء

باہتمام خواجہ فرزند علیؒ
حالی پریس پانی پت میں چھپا

حالی پبلشنگ ہاؤس "کتاب گھر" دہلی

حالی پریس پانی پت

ایک عرصہ سے پانی پت میں ایک مطبع جاری کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی مولانا حالی کی زندگی میں اُن کے دوست جناب مولانا وحید الدین صاحب سلیم نے ایک مطبع اسی نام کا جاری کیا تھا جو چند سال نہایت مفید کام کرنے کے بعد بند ہو گیا اب میں نے اپنے نانا صاحب (مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی) مرحوم ومغفور کی یادگار میں ایک نیا مطبع بنام **حالی پریس** جاری کیا ہے۔ اسکا مقدم مقصد یہ ہے کہ مولانا حالی مرحوم کی تمام تصانیف ایک سلسلہ کی صورت میں اور ایک تقطیع پر چھپوائی جائیں اور اُنکی تصحیح کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ اسکے علاوہ کوشش کیجاتی ہے کہ اُجرت کا کام عمدہ اور جلدی کیا جائے اور جہانتک ممکن ہو کفایت کے ساتھ کیا جائے پریس کی کامیابی اور اُسکی ترقی افسرانِ محکمہ جات اور رؤسا اور پبلک کی سرپرستی اور توجہ پر منحصر ہے۔ اگر یہ حاصل ہو گئی تو ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے کہ پریس اس سرپرستی کا پورے طور پر مستحق ثابت ہو۔

تصانیفِ حالی

۱۔ **مولود شریف** ۔ یہ کتاب پہلے کبھی نہیں چھپی۔ اس کا مکمل اور مجلد مسودہ مولانا مرحوم کا دستخطی صاف کیا ہوا حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عظمت اور محبت مولانا مرحوم کے دل میں تھی وہ اس کے ایک ایک لفظ سے مترشح ہوتی ہے۔ نئے خیالات کے لوگ اس کو دلچسپ پائیں گے۔ خاصکر پرانے خیالات کے مسلمان غالباً اسکو زیادہ پسند کریں گے۔ کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہیئے قیمت عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسرا حصہ

چھٹی مجلس

آتو جی اور مریم زمانی اور بسمی بیگم کی گفتگو

آ۔ لو بوا! زبیدہ خاتون کا قصہ سُن لیا ۔ دیکھو اُسکی ماں نے بیٹی کو پڑھا لکھا کر کیسا قابل کر دیا ؟ کیا ہم آدمی نہیں ہیں ؟ ہم چاہیں تو اس سے زیادہ اپنی اولاد کو

آدمی بنالیں۔ پر ویسی لیاقت کہاں سے لائیں؟

م۔ ز۔ حضرت! قصور معاف ہو تو کہوں۔ اِس سے یہ کیونکر نکلا کہ مائیں بیٹوں کو بھی پڑھا سکتی ہیں؟ ذکر تو میرے **احمدؐ مرزا** پر چلا تھا۔ آپ اُس پر زبیدہ خاتون کا قصّہ لے بیٹھیں۔ کہاں بیٹیوں کا پڑھانا۔ کہاں بیٹوں کا تربیت کرنا؟ اِس میں اور اُس میں آسمان زمین کا فرق ہے۔

آ۔ بڑی بیگم! سنتی ہو۔ مریم زمانی کی باتیں؟ کیا تمہارے نزدیک بھی مائیں بیٹوں کو تعلیم نہیں کرسکتیں؟

ب۔ ب۔ آتو جی! سچ تو کہتی ہے۔ بات تو کہیں کی تھی تم نے اُسے ادھر ڈھال دیا۔ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ ماں پڑھی لکھی ہو تو بیٹی کو بُری یا بھلی طرح تعلیم کرسکتی ہے۔ پر بیٹوں کا پڑھانا ماؤں کا ہرگز کام نہیں۔

آ۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک بات کا تو اقرار کیا۔ اب دوسری بات کا بھی وقت آتا جاتا ہے۔ ذرا میں

اُس وصیّت نامہ کو سُنالوں جو سیّد عبّاس
کے باپ نے آخری وقت میں لکھوایا تھا۔ پھر تمہاری
بات کا بھی جواب آجائیگا۔
سیّد عبّاس کہتا ہے کہ اماں جان نے جو وہ کاغذ
مجھے لاکر دیے تھے۔ میں نے دیکھا تو اُن میں یہ لکھا تھا

سیّد اَمجَد علیؒ کا وَصیّت نامہ

بعد حمد و نعت کے خاکسار امجد علی سب صاحبوں کی
خدمت میں عرض کرتا ہے۔ اگرچہ یہ خبر کسی کو نہیں کہ
موت کب آئے گی؟ اور کہاں آئے گی؟ مگر اب کی بار
جو میں بیمار پڑا ہوں اس سے آپ ہی آپ میرا دل
بیٹھا جاتا ہے۔ شاید میرا وقت قریب آپہنچا۔ اِس
بات سے میرے عزیز اور دوست اپنا جی نہ کُڑھائیں
کیونکہ اگر سچ مچ میری عمر کے دن تمام ہو چکے ہیں۔ تو
کمال شکر کی جگہ ہے کہ اِس وقت میرے ہوش و حواس
قائم ہیں۔ جن سے کچھ کہنا ہے۔ کہہ سکتا ہوں۔ جن کا

کچھ دینا ہے دے سکتا ہوں۔ سب سے پہلے میں
اللہ تعالیٰ کا یہ شکر کرتا ہوں کہ اُس نے مجھ کو دین اسلام
میں پیدا کیا ہے۔ اور توحید کا رستہ بتایا۔ دوسرے
مجھ کو ایسے ماں باپ کا بیٹا بنایا۔ جنہوں نے پہلے
میرے پالنے اور پرورش کرنے میں کوشش کی۔
اور پھر میری تعلیم اور تربیت میں اپنی جان کھپائی۔
اگر ایک کانٹا میرے پاؤں میں چبھ جاتا تھا تو اُنکے
دل میں جا کر کھٹکتا تھا۔ اور جس بات سے میرا دل
میلا ہوتا تھا اُس سے ان کی جان پر بن جاتی تھی۔ اس
پیار اور اخلاص پر پڑھنے لکھنے میں کبھی اُنہوں نے
میری دلداری نہ کی۔ اچھا کھلایا۔ اچھا پہنایا۔ اچھے
بچھونوں پر سلایا۔ اچھے گھوڑوں پر چڑھایا۔ جو کہا
سو کیا۔ جو مانگا سو دیا۔ غرض ساری نازبرداریاں کیں
مگر تربیت کے مقدمے میں جب دیکھا دشمنی کی نگاہ
سے دیکھا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جو باتیں بچپن میں
مجھے ناگوار معلوم ہوتی تھیں اُن سے میرے ماں باپ کا

دل مجھ سے بھی زیادہ دکھتا ہوگا۔ مگر انہوں نے اپنی
چھاتی پر پتھر رکھنا قبول کیا اور میری خوشی اور ناخوشی کا
کچھ خیال نہ کیا۔ اِس کے بعد مجھے اس بات کا شکر
کرنا بھی ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی قوم کی
سلطنت میں پیدا کیا جن کو خدا تعالیٰ نے قرآن میں
مسلمانوں کا سب سے زیادہ دوست فرمایا ہے۔
انگریزی سلطنت کی بدولت آج ہندوستان میں
وہ روشنی پھیل رہی ہے کہ رات اور دن میں کچھ
تمیز نہیں رہی۔ رستے ایسے صاف ہیں کہ جہاں
پہلے قافلوں کا گذر نہ ہوتا تھا۔ اب وہاں جس کا جی
چاہے آنکھ بند کرکے سونا اُچھالتا چلا جائے۔ تجارت
اِس قدر آسان ہوگئی کہ دو دن میں ہزاروں من مال
مشرق سے مغرب میں اور جنوب سے شمال میں پہنچا آتے ہیں
جن شہروں کا پہلے نام ہی نام سنتے تھے۔ اب وہاں
جانا ایسی بات ہے جیسے بازار میں سیر کر آئے۔
اگر ہزاروں کوس کسی کو کچھ خبر بھیجنی ہو۔ یا وہاں سے

کسی کی خبر منگانی ہو تو منہ سے بات نکالنے کی دیر ہے
جو خبر بھیجو اُسکی رسید لو۔ جو بات پوچھو اُس کا جواب لو۔
پیشے والے پہلے اپنے کاموں کی قدر آپ نہ جانتے تھے
صبح سے شام تک جان کھپاتے تھے تو کہیں شام کو جا کر
دو تین آنے پلّے پڑتے تھے۔ اب ہر شخص کو اُس کی
محنت کا پھل خاطر خواہ ملتا ہے۔ یہ غلطی ہمیشہ سے چلی
آتی تھی کہ نکمے آدمی سدا عیش و عشرت سے بسر کرتے
تھے اور کام کے آدمی ذلیل و خوار پھرتے تھے۔ یہ اسی
سلطنت کا صدقہ ہے کہ جتنے حق دار تھے وہ اپنے حق کو
پہنچ گئے۔ کھیتی کا مدار پہلے ہر جگہ بارش پر یا کنوؤں
کے پانی پر تھا۔ اب گنگا اور جمنا چاروں کھونٹ میں
دَوڑی دوڑی پھرتی ہیں۔ جہاں جہاں نہر گئی ہے
وہاں ہمیشہ سماں رہتا ہے۔ اِس کے سوا پہلے بادشاہوں
اور امیروں کے سوا غریبوں کی بیماری کا علاج جیسا
چاہیئے ویسا نہ ہوتا تھا۔ کہیں طبیب کو دینا پڑتا تھا۔
کہیں دوائیں مول لینی پڑتی تھیں۔ اب شہر شہر اور

قصبے قصبے اور گاؤں گاؤں سرکاری ڈاکٹر علاج کرتے
پھرتے ہیں۔ نہ کچھ ڈاکٹر کو دینا پڑتا ہے۔ نہ دوا مول لینی
پڑتی ہے۔ جس کا جی چاہے علاج کرائے۔ جو دوا
چاہے لیجائے۔ پہلے اول تو کتاب ملتی ہی نہ تھی۔
اور جو ملتی بھی تھی تو بہت بھاری قیمت کو ملتی تھی۔
اور جو لکھواتے بھی تو ایک ایک کتاب برسوں میں
تمام ہوتی تھی۔ اب چھاپے کی بدولت کتاب اور
ترکاری ایک بھاؤ بکتی ہے۔ جو سواریاں پہلے
بادشاہوں کو میسر نہ تھیں۔ وہ آج ادنے ادنے
آدمی کے پاس موجود ہیں۔ جو کپڑا پہلے امیروں کو
نصیب نہ ہوتا تھا۔ وہ پنہاریوں کے بچے پہنے
پھرتے ہیں۔ پہلے جب کوئی تمام عالم کی سیر کرتا تب
جا کر اُس کو ساری دنیا کی حقیقت معلوم ہوتی کیونکہ
ہر ایک ملک کا نقشہ نہایت صحیح کھچا ہوا کاغذ کے مول
بکتا پھرتا ہے۔ جس کا جی چاہے گھر بیٹھے ساری دنیا
کے پہاڑ اور جنگل اور دریا اور جزیرے اور آبادی

اور دیہات کی سیر کرے۔ پہلے اولاد کو پڑھانا لکھانا اِس قدر مشکل تھا کہ اس سے زیادہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اب سرکاری تعلیم نے اِس مہم کو ایسا آسان کر دیا کہ جاہل رہنا مشکل ہے اور پڑھنا لکھنا آسان ہے پہلے شہروں کی صفائی ایک ایسی چیز تھی کہ کبھی اُسکا تصور بھی دل میں نہ آتا تھا۔ اب ایک ایک گلی اور ایک ایک کوچہ اور سڑک اور بازار ایسے صاف رہتے ہیں کہ پہلے شاید امیروں کے رہنے کے مکان بھی اتنے صاف نہ رہتے ہوں گے۔ پہلے غریب امیروں سے اور رعیت حاکم سے ایسی دبتی تھی جیسے غلام اپنے آقا سے دبتا ہے۔ اب ہر شخص کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے ایک جُرم قانونی کے سوا اور جو کچھ جس کے جی میں آئے سو کرے۔ کوئی کسیکا مزاحم نہیں۔ ایک حاکم کے فیصلے سے ناراض ہو دوسرے کے ہاں جاکر نالش کرے وہاں بھی خاطر خواہ حکم نہ ہو تیسرے سے جاکر کہے۔ چوتھے سے کہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے دربار میں جاکر

فریاد کرے۔ جو مذہب جسکا جی چاہے اختیار کرے۔ سرکاری قانون کی جو بات ناگوار معلوم ہو اُس پر اعتراض کرے۔ غرض اسی طرح کی اور سینکڑوں باتیں ہیں میں نے یہاں تقریر کو اس لیے طول دیا ہے تاکہ میری اولاد اس سلطنت کی قدر پہچانے۔ آدمی کا قاعدہ ہے جو سدا سے آرام و آسائش میں رہا کرتا ہے اُس کو آرام و آسائش کی قدر نہیں ہوتی۔ شاید میری اولاد اس سلطنت کی کچھ قدر نہ جانے۔ کیونکہ وہ اس زمانہ کے سوا اور کچھ نہیں دیکھنے کے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ جس وقت وہ پڑھ لکھ لیں گے۔ اور اگلے بادشاہوں کے حال کتابوں میں لکھے دیکھیں گے اُس وقت اُن کی آنکھیں کھلیں گی۔ اور اُسی وقت یہ سمجھیں گے کہ ملکہ معظمہ کا سایۂ عاطفت ہمارے سر پر بہت بڑی دولت ہے اور ہماری خوش نصیبی کی نشانی ہے۔

اس کے بعد پھر میں اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک بڑے عالی خاندان کی

لڑکی سے میری شادی کی۔ اِس بیوی نے آکر میرے گھر کے ایک ایک کونے سے تاریکی کو کھو دیا۔ بُری بُری رسمیں جو ہمارے ہاں بڑوں کے وقت سے چلی آتی تھیں۔ اور بُرے بُرے عقیدے جن کو ہمارے ہاں کے مرد عورت اپنا دین و ایمان جانتے تھے۔ اُنہوں نے ان کو ایسی خوبصورتی سے مٹایا کہ کسی کو ناگوار نہ گذرا۔ بلکہ اُلٹے سب اُن کے ممنون ہوئے۔ میری ماں بہن کے ساتھ اُنہوں نے وہ برتاؤ برتا کہ میں اُن کا یہ احسان قیامت تک یاد رکھونگا۔ خواجہ صاحب و قبلہ نے اُن کو رخصت کے وقت یہ کہا تھا کہ "اول تو جہاں تک ہو سکے تم اپنی ساس نندوں سے نباہ کرنا۔ اور جو دیکھو کہ کسی طرح نہیں بنتی تو اپنے میاں سے کہکر الگ ہوجانا۔ اور یہ خیال نہ کرنا کہ لوگ بُرا کہیں گے یا ساس نندیں بُرا مانیں گی۔ اب تو ایک ہی دفعہ بُرا مان کر رہ جائیں گے۔ اور ساتھ رہنے میں روز بگاڑ رہیگا۔ مگر اپنے خاوند کو اُن کی اطاعت سے باہر نہ ہونے دینا۔"

میں اس وقت صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اگر
یہ چاہتیں تو مجھے ماں بہن سے جدا ہونے میں کچھ عذر
نہ ہوتا۔ کیونکہ میں بھی اس بات کو نہایت مصلحت جانتا تھا
مگر انہوں نے یہاں تک نوبت ہی نہ آنے دی۔ میری
ماں بہنیں ہمیشہ ان کا دم بھرتی رہیں۔ اس کے سوا
فضولخرچی بھی عورتوں کا شیوہ ہے۔ کھانے پینے میں
بیاہ شادی میں۔ مرنے جینے میں آگا پیچھا کچھ نہیں
دیکھتیں۔ ہمیشہ اُن کو یہ دُھن لگی رہتی ہے کہ محفل میں
نکلیے تو ایسا جوڑہ پہنکر نکلیے جو کسی کے پاس نہ نکلے۔
لڑکے کی چھٹی میں ایسی دھوم دھام کیجے جو کسی نے
نہ کی ہو۔ سسرے کا مرنا ایسا کیجے کہ ساری برادری
میں نام ہو جائے۔ اس میں گھر بک جائے تو بک جائے
گھر کا اسباب نیلام ہو جائے تو ہو جائے۔ حالانکہ میں نے
کبھی ان سے اپنی جان تک عزیز نہ سمجھی مگر انہوں نے
سدا میری چیز کو ایسا سمجھا جیسے کوئی امانتدار آدمی
کسی غیر کی چیز کو سمجھتا ہے۔ کبھی ایک کوڑی بیجا صرف

نہ کی۔ کبھی ایک دانہ بے جگہ نہ اُٹھایا۔ گھر کے انتظام میں ان کے سبب سے کبھی مجھ کو دردِ سر کرنا نہ پڑا۔ بلکہ اگر مجھ سے دس مرد ملکر میرے گھر کا انتظام کرتے تو بھی ان سے بہتر نہ ہو سکتا۔ میرے ہاں ہزاروں روپے کا سوداگری اسباب برس برس دن اور دو دو برس رہتا تھا۔ اور اس میں اکثر اسباب ایسا ہوتا تھا کہ دس دن اُس کی خبر نہ لیجائے تو کام سے جاتا رہے۔ مگر انکی توجہ سے کبھی کوئی چیز نہ بگڑی۔ اِس کے سوا عورتوں کو یہ بھی مرض ہوتا ہے کہ ہر وقت دروازے پر ڈولی کھڑی ہی رہتی ہے۔ خالہ۔ پھپھی۔ بہن۔ بھانجی کے ہاں جانے سے کبھی فرصت نہیں ہوتی۔ اور اسی سبب سے اکثر میاں بیوی میں بگاڑ رہتا ہے۔ مگر ان کی ہمیشہ یہ صورت رہی کہ جب میں ہی اُن کو میکے میں بھیجتا تھا تو مہینوں میں ایک آدھ پھیرا کر آتی تھیں۔ اور بیاہ شادی میں جہاں کہیں ایسی ہی مِلت جُلت ہوتی تھی تو مجبور دو چار گھڑی کے لیے جاتی تھیں۔ نہیں تو اور کبھی

جانے آنے سے انہیں بالکل سروکار نہ تھا۔ اس کے سوا جب سے والد مرحوم نے مجھ کو چار حرف پڑھوائے۔ اہل علم کے سوا کسی کی صحبت مجھے نہ بھاتی تھی۔ خصوصاً گھر میں بیٹھنے سے ایسا جی گھبراتا تھا کہ اماں اور آپا نے میرا نام اکل کھرا[1] رکھ دیا تھا۔ جب سے یہ آئیں میرا ہر وقت کا باہر رہنا خود بخود چھوٹ گیا۔ ان کی صحبت میں مجھے باہر کی صحبتوں کی پروا نہ رہی۔ پردیس میں بھی اکثر یہ میرے ساتھ رہیں۔ مگر سوا ماں بہن کے خیال کے اور کبھی میں نے وطن کو یاد نہیں کیا۔ ایک ان کے ساتھ ہونے سے مجھے پردیس بھی وطن کے برابر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سوا ہمارے ہاں دادا صاحب کے وقت سے دس بارہ ہزار روپے کا قرض چلا آتا تھا۔ اور خرچ کی ابتری سے اس کے اترنے کی کوئی صورت نہ بنتی تھی انہوں نے ایسا سلیقے سے انتظام کیا کہ دس برس میں ایک ایک کوڑی قرض کی اتار دی۔ رہنے کا مکان

[1] جو تنہائی پسند کرے۔ سوسائٹی سے گھبرائے۔

ہمیشہ ٹوٹا پھوٹا۔ میلا کچیلا رہتا تھا۔ انہوں نے مکان کی
صورت ہی بدل دی۔ گرمی۔ سردی۔ برسات۔ جس
موسم کا آرام چاہیئے موجود ہے۔ جس نے یہ مکان بیس
برس پہلے دیکھا ہو اور وہ اب آکر دیکھے تو ہرگز اُسکی
پہچان میں نہ آئے کہ یہ وہی مکان ہے۔ غرض کہانتک
بیان کروں ان کا حق مجھ سے کسی طرح ادا نہیں ہوسکتا
اب ان سے میری یہ التجا ہے کہ جہاں جیتے جی تمھارے
اور ہزاروں احسان مجھ پر ہے۔ اب میرے مرنے کے
بعد بڑا احسان یہ ہے کہ سیّد عبّاس کی تربیت میں
ایسی کوشش کرنا کہ میری روح تم کو دعا دے۔ اگرچہ
میں خوب جانتا ہوں کہ تمھاری زندگی ہمیشہ اچھے کاموں
میں صرف ہوگی۔ مگر اس وقت اس کا حق مجھ پر بھی تھا کہ
تم کو اس باب میں وصیت کرجاؤں۔ اور اماں اور آپا
سے میرا یہ سوال ہے کہ میرے بعد سیّد عبّاس کی
والدہ کو میری جگہ سمجھیں۔ بلکہ مجھ سے بھی زیادہ عزیز
جانیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ سیّد عبّاس کو زندگی عنایت

کرے تو اُس کو اور اُسکی اولاد کو اول وصیت میری یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے تحصیلِ علم میں سعی کرنا۔ یہ ایک ایسی نصیحت ہے کہ سارے جہان کی نصیحتیں اسی میں آگئیں۔ تمام دنیا اور دین کی بھلائیاں ایک علم کے پڑھنے سے اِنسان میں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اِس کے سوا چند باتیں روز کے برتاؤ کی بھی بتائے دیتا ہوں۔ اگر ان کے موافق عمل کریں گے تو دنیا میں اُن کے بہت کام آئینگی۔ دنیا میں عزت چاہو تو وہ ہُنر سیکھو جس کی بادشاہِ وقت کے ہاں قدر ہو۔ ہر زمانہ اور ہر سلطنت میں ایک نئی چیز کی قدر ہوتی ہے۔ جو لوگ اگلے وقتوں کے ہُنر کو ہُنر سمجھے جاتے ہیں اور نئے کمال اور نئے ہنر نہیں سیکھتے وہ ہمیشہ دنیا میں ذلیل اور خوار رہا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں کئی پشت سے تجارت کا پیشہ چلا آتا ہے۔ مگر تم کو کچھ ضرور نہیں کہ تم بھی تجارت ہی کرکے روٹی پیدا کرو نہیں بلکہ جس کام کی لیاقت اپنے میں دیکھو اور جس بات کی برائی بھلائی سے خوب واقف ہو وہ پیشہ اختیار

کرو۔ بعض نوکری پیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح ہماری ترقی ہو۔ مگر جس لیاقت پر ترقی موقوف ہے اُس کے حاصل کرنے میں کوشش نہیں کرتے۔ یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ پہلے وہ کمال پیدا کرے جس سے خودبخود اُس کی پوچھ ہو۔ اگر کوئی حاکم یا کوئی امیر تمہارا کہنا مانتا ہو تو کبھی کسی نالائق آدمی کی سفارش نہ کرنا۔ اور جو کرو تو اُس کے عیب و ہنر سب جتا دینا۔ اگرچہ وہ شخص تمہارا کیسا ہی دوست ہو۔ نہیں تو ایک اِس کا بھلا کرنے میں اور سینکڑوں لائق آدمیوں کا بُرا ہوگا۔ کیونکہ جب تمہاری ایک بات غلط نکلے گی۔ پھر تمہاری سچی بات کو بھی کوئی نہیں ماننے کا۔ وعدہ خلافی کرنی۔ جھوٹ بولنا۔ رشوت لینی تغلب کرنا۔ خوش بیانی کے لیے مبالغہ کرنا۔ فریب دیکر کام نکالنا۔ محفلوں میں ایک ایک پر پھبتی کہنی۔ اِن سب باتوں کا اِس زمانہ میں بالکل عیب نہیں رہا۔ دیکھو کبھی تم ان کو عیب نہ جانو۔ معاش پیدا کرنے کے لیے تم کو

بار ہا سفر کرنے کا اتفاق ہوگا۔ ایک جمعے کے دن تو سفر نہ کرنا۔ کیونکہ وہ عبادت کا دن ہے۔ جس طرح یہودیوں کے ہاں ہفتہ اور عیسائیوں کے ہاں اتوار ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں جمعہ ہے۔ اس کے سوا اور سب دن خدا کے ہیں۔ کبھی سفر کرنے میں تردد نہ کرنا۔ لوگ کہتے ہیں کہ دساسول ہفتے اور پیر کو مشرق میں ہوتا ہے۔ اور جمعے اور اتوار کو غرب میں۔ اور منگل اور بدھ کو شمال میں اور جمعرات کو جنوب میں۔ جب دساسول سامنے ہو تو سفر نہ کرنا چاہیئے۔ ایسی باتوں کو تم ہرگز نہ ماننا۔ بعضے وقت ایسے ایسے وہموں سے آدمی اپنا بڑا نقصان کر بیٹھتا ہے۔ شاید تم کو گھوڑے کی تجارت کرنے کا اتفاق ہو یا اپنی سواری کے لیے گھوڑا خریدنا ہو تو جو گھوڑا بیمار ہو۔ یا سواری میں کوئی عیب کرتا ہو۔ یا صورت کا بُرا ہو۔ اُس کے نہ لینے کا مضائقہ نہیں۔ اِس کے سوا اور بیسیوں بھوریوں کے عیب جو لوگوں نے ٹھیرا رکھے ہیں اِن عیبوں کا خیال تم ہرگز نہ کرنا۔ اِس زمانہ میں لوگ اُس شخص کو بہت بڑا

سالوتری اور چابک سوار جانتے ہیں جو کسی لاگ سے
عیب دار گھوڑے کو بے عیب کر کے خریدار کے سر منڈھ دے
یہ بہت بڑا عیب ہے - تم گھوڑے کی سوداگری کرو تو مول
تول کرنے سے پہلے گھوڑے کا ایک ایک عیب جتا دینا -
بعضے لوگ سوداگری مال کو برسوں اس امید پر پڑا رکھتے
ہیں کہ جب دُگنا تگنا نفع ہوگا تب بیچیں گے - جن کو یہ خیال
ہوتا ہے وہ ہمیشہ ٹوٹے میں رہا کرتے ہیں - اور جو اُسی
وقت اَونے پَونے کر کے بیچ دیتے ہیں وہ بہت کم نقصان
اُٹھاتے ہیں - کامی آدمی سے ملنے جاؤ تو اُس کی فرصت
کے وقت جانا - نہیں تو تمہارا جانا اُس کو ناگوار معلوم ہوگا
ایسے لوگوں سے دوستی کرنی نہ چاہیئے جو بے ضرورت
آکر تمہارا وقت ضائع کر جائیں - وقت کو جان سے بھی
زیادہ عزیز سمجھنا - جو کام ہمیشہ کرنے پڑتے ہیں اُن کے وقت
باندھ لینا - یہ نہیں کہ جو کام جب چاہا کر لیا - اِس کا فائدہ
اسی وقت معلوم ہوگا جب وقتوں کی پابندی اختیار کروگے
بعضے لوگ اپنی بیویوں پر تشدد[۱] کرنے کو نہایت انتظام

[۱] سختی - بد سلوکی -

کی بات جانتے ہیں۔ اور ہر وقت اُن سے بدگمان رہنے کو
کمال غیرت اور حمیت سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ اپنی زندگی آپ
تلخ کرتے ہیں اور عورتوں کا صبر اپنی گردن پر لیتے ہیں۔
مجھ کو میری شادی کے دن عین رخصت کے وقت خواجہ
صاحب و قبلہ نے یہ نصیحت کی تھی کہ "عورتوں سے بدگمان
رہنے کی ممانعت حدیث میں آئی ہے" میں نے اُن کی
اس نصیحت سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ تم بھی اس نصیحت کو
کبھی نہ بھولنا۔ مصیبت کے وقت استقلال کو ہاتھ سے
نہ دینا۔ ہمیشہ صبح کو سویرے اُٹھنا۔ جس سے ملو اُس سے
کوئی نہ کوئی بات سیکھنے کا ارادہ رکھنا۔ کاہل وجود اور
امتیازی بن کر نہ بیٹھنا۔ اور نوکروں کو صرف یہ سمجھنا کہ یہ بھی
ایک ہمارے مددگار ہیں۔ جب تم کسی بڑے کام میں مصروف
ہو تو چھوٹے چھوٹے کام اُن سے لینا۔ اور جو تمہارے آگے
کوئی بڑا کام نہ ہو تو اپنا کام آپ کرنے کو عیب نہ جاننا۔ جن
لوگوں کے آگے نوکر چاکر کام کرتے ہیں اگر وہ اُن کے
سہارے پر آپ بالکل اپاہج ہو بیٹھتے ہیں۔ ایسے مزاج کے

آدمی ہمیشہ تکلیف اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ جتنی علموں کے سیکھنے میں کوشش کرو۔ اُتنی ہی نئی نئی زبانیں سیکھنے میں سعی کرنا۔ مگر سب سے پہلے اپنی زبان درست کرنا۔ پھر وہ زبان سیکھنا جسمیں دین کی کتابیں ہوں۔ پھر بادشاہِ وقت کی زبان میں کمال حاصل کرنا۔ اِس کے بعد جو زبان تھوڑی بہت آجائے فائدے سے خالی نہیں۔ مگر بہت ضرور نہیں تینوں زبانوں کا سیکھنا ہے۔ بعضے لوگ فارسی زبان سیکھنے میں اپنی عمر تمام کردیتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔ اِس کی ضرورت تھی تو اہلِ عجم کی سلطنت میں تھی۔ اب وہ وقت گیا۔ اب انگریزی میں کمال پیدا کرنا چاہیئے اور فارسی صرف اتنی سیکھنی چاہیئے جس سے اُردو کو رونق ہو۔ غرض جو بات عقل کے نزدیک اچھی ہو اُس کو لاکھ زمانہ بُرا جانے تم کبھی اُس کو عیب نہ جاننا۔ اور جو بات عقل کے نزدیک بُری ہو اُس کو ہزار لوگ اچھا کہیں۔ تم ہرگز اُسے اچھا نہ کہنا۔ اِس کے بعد اپنی ساری قوم سے میری یہ عرض ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم میں کوشش کریں۔ اور اُن کو جو

خدا تعالیٰ نے جو ہر قابل دیا ہے اُس کو خاک میں نہ ملائیں اور اُن کے پڑھانے لکھانے میں جو ہزاروں فائدے اُن کے اور عورتوں کے لیے ہیں اُنہیں مفت برباد نہ کریں۔ اور یہ سمجھیں کہ جب دو حرف یاد ہونے سے لوٹے اور جاہل کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے تو عورتیں جو تمہاری ہم جنس ہیں اُنہوں نے کیا قصور کیا ہے کہ عِلم پڑھنے سے اُن کو کچھ فائدہ نہ پہنچیگا؟ پس جو کچھ وصیتیں مجھ کو کرنی تھیں کر چکا اب سب کو میں اپنے اِسلام پر گواہ کرتا ہوں۔ اور یہ عہد کرتا ہوں کہ اب تک جو کچھ گناہ مجھ سے ہوئے۔ اگر جیتا رہا تو جہاں تک ہوسکیگا ان سے بچونگا۔ انتہیٰ باقی ہوس ؀

ساتویں مجلس

سیّد عبّاس کا بیان

سیّد عبّاس نے یہ وصیت نامہ پڑھ کر اپنے تربیت پانے کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ وہ کہتا تھا کہ آٹھ نو برس کی عمر تک میری والدہ نے مجھ کو مکتب میں نہیں بٹھایا بلکہ آپ ہی پڑھاتی لکھاتی رہیں۔ تین گھنٹے دوپہر سے پہلے اور دو گھنٹے دوپہر کے بعد۔ یہ پانچ گھنٹے تو میرے پڑھنے لکھنے کے تھے۔ اس کے سوا صبح سے لیکر رات کے دس بجے تک میرے تمام اوقات اور کاموں میں صرف ہوتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد ایک آدمی کو ساتھ لیکر جنگل کی ہوا کھانے جاتا تھا۔ اور سورج نکلتے ہی اُلٹا پھر آتا تھا۔ وہاں سے آتے ہی گرم پانی سے نہا کر اُجلے کپڑے پہنے اور جو کچھ ناشتا تیار ہوا وہ کھا لیا۔

اِس میں اکثر سات بج جاتے تھے - اب میرے پڑھنے کا وقت آیا - دس بجے تک مجھ کو اماں جان برابر پڑھاتی رہتی تھیں - اِس کے بعد میں اور میری انّا کا بڑا بیٹا غلام امام جو میرے کوکا سے عمر میں ایک برس بڑا تھا گیارہ بجے تک برابر اصطبل میں کھیلتے رہتے تھے - اسمیں دو چار محلے کے لڑکے اور بھی ہمارے ساتھ کھیلنے کو آجاتے تھے - گیارہ بجے وہاں سے آکر کھانا کھایا - پھر بارہ بجے تک اخبار دیکھتا رہا - اِس کے بعد ہمارے پڑوس میں ایک خوشنویس رہتے تھے - اُن کے ہاں جاکر نستعلیق کی مشق کرتا تھا - ایک بجے وہاں سے آتا تھا - ظہر کی نماز پڑھ کر تین بجے تک پھر اماں جان پڑھاتی رہتی تھیں - تین بجتے ہی پڑھنے سے مجھے چھٹّی ہوجاتی تھی - اب پانچ بجے تک میں اپنی بندوق سے کام رکھتا تھا - اِسلام بیگ جو اباجان کے وقت سے ہمارے ہاں نوکر تھا اُس کو بندوق لگانی خوب آتی تھی - وہ مجھ کو اصطبل میں لیجاکر نشانہ لگانا سکھاتا تھا - اسی طرح

عصر کی نماز بھی پڑھ لی۔ پانچ بجے کے بعد اگر گرمی کا موسم ہوا تو نہا کر۔ اور نہیں تو اسیطرح گھوڑے پر سوار ہوکر شہر کے باہر ہوا کھانے چلا جاتا تھا۔ شام کو وہاں سے آکر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد تھوڑی دیر صحن میں ٹہلتا رہا۔ اِس میں عشا کی نماز کا وقت بھی ہوگیا۔ پہلے وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر ایک گھنٹہ کتاب کا مطالعہ دیکھا۔ اِس کے بعد امّاں جان کی خدمت میں جا بیٹھا۔ اب دس بجے تک اُن کی باتیں سُنتا رہتا تھا۔ اِس میں کبھی تو امتحان کے طور پر کچھ پوچھنے لگتی تھیں۔ کبھی کوئی قِصّہ کہنے لگیں۔ کبھی کچھ نصیحت کرنے لگیں۔ دس بجتے ہی پھر میں اپنے پلنگ پر جا کر سو رہتا تھا۔ اب اسکی تفصیل سُنیے۔ امّاں جان ہمیشہ میرے لیے موٹا کپڑا بنواتی تھیں۔ اور یہ کہتی تھیں کہ مہین کپڑے کی اول تو احتیاط بہت کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے اُس سے بدن قابو میں نہیں رہتا۔ اِس کے سوا پسینا اچھی طرح نہیں آتا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب تک

مسام کھلے رہتے ہیں۔ انسان اکثر بیماریوں سے بچا رہتا ہے مگر اُجلے کپڑے پہننے کی نہایت تاکید رکھتی تھیں۔ اور جو لوگ کپڑا ہوتے ساتے میلے کچیلے رہتے ہیں۔ اُن کی طرح طرح سے ہجو کرتی رہتی تھیں تاکہ مجھے میلے کپڑے سے نفرت ہو جائے۔ اور ہمیشہ سادہ کپڑا پہناتی تھیں مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی بنت کی ٹوپی تک بھی پہنی ہو۔ یا گریبان میں کنٹھی یا گھیر میں بیک لگائی ہو۔ جو کبھی کسی کے ساتھ کوئی لڑکا بالا مصالح کے کپڑے پہن کر آجاتا تو میرے روبرو اُن سے یوں کہتیں۔ بوا! تم جو اپنے لڑکے کو ایسے کپڑے پہناتی ہو۔ کہیں اس کے دشمنوں کو ہیجڑا یا زنانہ بناؤ گی؟ اور گرمی۔ جاڑا۔ برسات کوئی موسم کیوں نہ ہو۔ انگرکھے کے نیچے سینہ بند ضرور پہناتی تھیں۔ اور یہ تاکید تھی کہ سینہ کہیں سے کھلنے نہ پائے۔ اور نہانے کی تاکید بھی حد سے زیادہ رکھتی تھیں بیماری کاہلی کے سوا مجھے یاد نہیں کہ کسی دن میرا غسل ناغہ ہوا ہو۔ وہ فرماتی تھیں کہ یہ جو پسینے سے روز میل

پیدا ہوتا ہے اِس سے مسام بند ہو جاتے ہیں۔ اِس کا
علاج یہ ہے کہ آدمی روز نہاتا رہے تاکہ بدن پر میل
جمنے نہ پائے۔ کھانا کھانے میں مجھ کو حکم تھا کہ روٹی
کم کھایا کرو۔ زیادہ اناج کھانے سے بدن تو بیشک موٹا
ہو جاتا ہے مگر دل و دماغ کا زور گھٹ جاتا ہے۔ ہاں
دودھ یا گوشت کا مضائقہ نہیں یہ جتنا چاہو کھاؤ۔ اور
یہ حکم تھا کہ ایک ہی بار پیٹ بھر کر نہ کھایا کرو۔ چاہو دن بھر
میں چار دفعہ کھاؤ مگر بھوک رکھ کر کھاؤ۔ پیٹ بھر کر
کھانے سے اول تو کھانا ہضم دیر میں ہوتا ہے۔ دوسرے
طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کہنا نہیں کرتے
ذہن کند ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی
ہیں۔ اور نوالے کو خوب چبا کر نگلا کرو۔ اور زیادہ پانی
پینے سے اس قدر روکتی تھیں جیسے کوئی کسی بُرے کام
سے روکتا ہے۔ اور یہ فرماتی تھیں کہ جو آدمی اپنی پیاس
کو نہ روکے اُس میں اور جانور میں کچھ فرق نہیں۔ آدمی کو
اکثر جھوٹی پیاس لگا کرتی ہے۔ اِس میں پانی پینا بہت

بڑا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد کم سے کم گھنٹہ بھر ضبط کرنا چاہیئے۔ اور سوتے سے اُٹھ کر۔ راہ چلکر۔ محنت کرکے اُسی وقت پانی پینا نہیں چاہیئے ٭ کھیلنے کی یہ صورت تھی کہ ہمارے رہنے کے مکان سے تھوڑی دُور ایک بہت بڑا کچّا احاطہ کھچا ہوا تھا۔ اُس میں گائے۔ بھینس اور گھوڑا بندھتا تھا۔ اور اُن کے لیے نیار بھوس بھی وہیں رہتا تھا۔ وہاں ہم نے ایک اکھاڑا بنا رکھا تھا۔ وہیں کھیلتے تھے اور وہیں کُشتی لڑتے تھے۔ ہمارے ساتھ جو آدمی رہتا تھا اُس کو امّاں جان کا یہ حکم تھا کہ گیند۔ بلا۔ یا کبڈی یا بھاگ دوڑ یا کُشتی کے سوا اور کوئی کھیل نہ کھیلیں۔ اِسلام بیگ جو مجھ کو بندوق لگانی سکھاتا تھا۔ اُس کو بندوق کے بڑے بڑے کرتب یاد تھے۔ مگر امّاں جان نے یہ کہہ رکھا تھا کہ اِس کو فقط سیدھا نشانہ لگانا سکھا دو۔ اور کرتب ورتب میں نہیں چاہتی۔ اسیطرح چابک سوار جو گھوڑے پر چڑھنا سکھاتا تھا وہ بھی اپنے فن کا بڑا اُستاد تھا۔

اُس کو گھوڑا پھیرنے کے ہزاروں کرتب یاد تھے مگر اُسکو بھی تاکید تھی کہ لڑکے کو اتنا کردو کہ گھوڑے پر ران خوب جمنے لگے۔ باگوں کا حساب اس کی سمجھ میں آجائے نشست بے قاعدہ نہ ہو۔ دُلکی۔ سرپٹ۔ گشت۔ پھرت کسی بات میں عاجز نہ رہے۔ گھوڑا اُڑانے میں پڑی نہ اُکھڑے گھوڑوں کے مزاج اور خوبُو سے واقف ہو جائے۔ لگام دینی۔ زین باندھنا۔ قائزہ کرنا۔ اگاڑی پچھاڑی لگانی۔ کھریرا ہتھی کرنی۔ اِن چیزوں میں سائیس کا محتاج نہ رہے جو بیماریاں گھوڑوں کو اکثر ہوتی رہتی ہیں اُن کے علاج معالجے سے خبردار ہو جائے۔ اِسیطرح میرے اُستاد جن سے میں خط کی اصلاح لیتا تھا وہ بھی بہت سے خط لکھنے جانتے تھے۔ خطِ نسخ۔ خطِ گلشن۔ خطِ غبار۔ خطِ طغرا۔ اور اِن کے سِوا اور بہت سے خطوں میں اُنکو کمال تھا۔ مگر اماں جان کی یہ تاکید تھی کہ اِس کو جسقدر ہوسکے نستعلیق لکھنا بتا دو۔ بس اتنا ہو جائے کہ کوئی اسکا لکھا دیکھکر ناک نہ چڑھائے اور پڑھا اچھی طرح جائے۔ مجھے کچھ زیادہ

خوشنویس بنانا نہیں ہے۔ جو کمرہ مجھ کو اماں جان نے
رہنے کے لیے دے رکھا تھا وہ مکان کے صحن میں ایک
طرف کو بنا ہوا تھا۔ ہمارے گھر میں اور تو سب مکان
پُرانی چال کے بنے ہوئے تھے مگر یہ کمرہ والدِ مرحوم نے
اپنے رہنے کے لیے نئی قطع کا بنوایا تھا۔ اس میں پُورب
پچّھم۔ اُتّر۔ دکّھن چاروں طرف کی ہوا خاطر خواہ آتی تھی۔
اور اس کے گرد ڈیڑھ گز چکلا برآمدہ نکلا ہوا تھا۔ اور
اِس کے چاروں طرف تین تین گز زمین چمن کے لیے
چھُٹی ہوئی۔ مجھ کو حکم تھا کہ رات دن اسی کمرے میں بیٹھا
اُٹھا کرو۔ اور میری کتابیں۔ اور پلنگ۔ اور اوڑھنا بچھونا
بھی اسی کمرے میں رہتا تھا۔ گھر میں اور مکان نہایت
عمدہ عمدہ بنے ہوئے تھے۔ مگر مجھے یہاں کے سوا اور جگہ
بہت کم بیٹھنے دیتی تھیں اور یہ کہتی تھیں کہ ہوا سب
مکانوں میں ہر وقت بھری رہتی ہے۔ اور ہوا کا خواص
پانی کا سا ہے۔ جس طرح پانی کہیں ٹھیر جاتا ہے تو چند
روز میں سڑ جاتا ہے۔ اِسی طرح جس مکان کی ہوا روز

نکلتی نہیں رہتی - وہاں بیماری پیدا ہوتی ہے - اور ہوا جب ہی نکلتی رہے گی - جب دوسری طرف سے تازی ہوا کے آنے کا رستہ ہوگا - اِسی واسطے حکیموں نے یہ بات نکالی ہے کہ مکان کے دونوں طرف ہوا کے آنے جانے کا رستہ رکھنا چاہیئے - بیٹیا! اگلے وقتوں کے لوگ سیدھے آدمی تھے - مکانوں کی جو قطع قدیم سے چلی آتی تھی اُسی کو جانتے تھے - مگر تمہارے ابّا نے جو نئے نئے علم سیکھے - اُن کو ان باتوں میں کمال سلیقہ ہوگیا تھا - انہوں نے تو کئی بار یہ ارادہ کیا کہ اس مکان کو توڑ کر نئے سرے سے اپنے طور کا مکان بنواؤں - مگر یہ بزرگوں کی نشانی تھی - میں نے زبردستی اُن کو اس ارادہ سے باز رکھا - جب انہوں نے لاچار ہوکر یہ کمرہ بنوایا *

جب تک میں مکتب میں نہیں بیٹھیا - اماں جان کو زیادہ خیال میری خصلتیں درست کرنے کا رہتا تھا - حق یہ ہے کہ اولاد کے اخلاق اور عادات سنوارنے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں - مگر اُن کو اس کا ایسا گُر ہاتھ لگا تھا کہ

اگر میں کسی قابل ہوتا تو اُن کی تربیت سے بہت کچھ فائدہ اُٹھاتا۔ اول اُن کی عادتیں اور خصلتیں ایسی تھیں جن کے دیکھنے سے خودبخود آدمیت آتی تھی۔ دوسرے انہوں نے باہر اور اندر کے نوکر بدلتے بدلتے ایسے آدمی چھانٹ لیے تھے کہ کیا مرد اور کیا عورت سب خیر خواہی کے پُتلے بنے ہوئے تھے۔ اور جب سے انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ بیوی کو جتنا لڑکے کی تربیت کا خیال ہے اِتنا اور کسی چیز کا نہیں جب سے امّاں جان تو مجھ پر کیا روک ٹوک رکھتی تھیں جو وہ رکھتے تھے۔ گھر میں رہتا تھا تو۔ اور باہر جاتا تھا تو چاروں طرف سے مجھ کو یہی آواز آتی تھی کہ دیکھو میاں! یہ کیا کرتے ہو؟ یہ بات اچھی نہیں۔ یہ بات بہت بُری ہے۔ یہ بات کرنے کی ہے۔ یہ بات کرنے کی نہیں ہے۔ تیسرے امّاں جان میرے ساتھ کچھ برتاؤ ایسا برتتی تھیں کہ مجھ کو ہر طرح سے اُن کا کہنا کرنا ہی پڑتا تھا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اماں جان نے میرے ایک طمانچہ تک بھی مارا ہو۔ بلکہ ایک دو دفعہ کے سوا شاید کبھی بُرا بھلا بھی نہ کہا ہوگا۔

باوجود اس کے اُن کا خوف مجھ پر ایسا غالب تھا کہ اُن کے سامنے ہُوں سے تُوں نہ کر سکتا تھا۔ ساری بات یہ تھی کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا۔ کھیلنا تو درکنار اُنہوں نے کبھی مجھے اپنے سامنے قہقہہ مار کر ہنسنے نہیں دیا۔ جو قاعدہ اُن کے سامنے بیٹھنے کا تھا ہمیشہ اُسی قاعدہ سے بیٹھتا تھا اور ہر وقت منہ چومنا۔ گلے لگانا۔ پیار کرنا۔ یہ بھی اُن کی عادت نہ تھی۔ اس کے سوا نوکریں ہر وقت اُن کی خفگی سے مجھ کو ڈراتی رہتی تھیں۔ اور میں نے جو کبھی مار کا مزا اُتک نہ چکھا تھا۔ اِس لیے مار کے نام سے میری بھی روح قبض ہوتی تھی۔ اِس سبب سے جو انہوں نے کہا وہی کیا۔ چوتھے اُن کی عادت تھی کہ اگر مجھ سے کوئی خطا ہو جاتی تو آپ بالکل انجان بنجاتیں۔ گویا اُن کو خبر ہی نہیں۔ اور جو وہی خطا دو چار بار دیکھتیں۔ تو الگ لیجا کر چپکے سے سمجھا دیتیں کہ بیٹا دیکھو! اب کی بار تو میں نے تمہارا عیب چھپا دیا۔ اگر پھر ایسا کرو گے تو سب کے سامنے تمہیں ذلیل کروں گی اگر تم کو کچھ اپنی عزت کا پاس ہے تو پھر اِس کام کے پاس

نہ جانا۔ سات آٹھ برس کی عمر تک ہمیشہ مجھ پر ان باتوں کی
تاکید رہی کہ کھانا کپڑا جیسا گھر میں ملا کرے۔ ویسا پہن لیا کرو۔
جن کو اچھا کھانے اچھا پہننے کا لپکا پڑ جاتا ہے وہ برے
وقت میں یا تو بھیک مانگتے ہیں یا چوری کرتے ہیں یا جوا
کھیلتے ہیں۔ جب تک ایک نوالہ نگل نہ لو دوسرے پر ہاتھ
نہ دوڑایا کرو۔ کھانا کھانے میں کپڑا دال سالن سے نہ بھرنے
پائے۔ بڑوں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ لپکانا نہیں
چاہیئے۔ جن باتوں سے اوروں کو نفرت آئے جیسے ہاتھ
جھٹکنا۔ نوالہ کو زور زور سے چبانا۔ منہ کی چیز دسترخوان پر
گرانی۔ زور سے ڈکار لینی۔ نوالہ منہ میں لیکر پھر برتن میں ڈالنا
ایسی باتیں دسترخوان پر بیٹھ کر نہ کرنی چاہیئیں۔ اسی طرح
کسی کی طرف تھوکنا۔ کسی کے آگے ناک پاک کرنی۔ کسی کی
طرف پیٹھ پھیر کر بیٹھنا۔ جو کوئی کچھ چیز دے اس سے بے تکلف
لے لینا۔ کسی کے آگے ہاتھ پسارنا۔ کسی کی بات میں
دخل دے بیٹھنا۔ بیہودہ بک بک کرنی۔ گالی دینی۔ جھوٹ
بولنا۔ قسم کھانی۔ دوپہر کو سونا۔ صبح کو سویرے نہ اٹھنا

اندھیرے میں بے ٹٹولے جھک جانا۔ دھوپ میں بیٹھنا۔ آگ سے تاپنا۔ آگا دیکھ کر نہ چلنا۔ بہت دوڑ کر یا بہت آہستہ چلنا۔ قدم جما کر نہ رکھنا۔ ننگے بدن رہنا۔ اِن باتوں سے روکتی رہتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ بول چال کی غلطیوں پر ٹوکتی رہتی تھیں۔ اوّل تو مجھ کو یہ قاعدہ سکھائے کہ بڑوں سے کیونکر بولنا چاہیئے۔ اور چھوٹوں سے کیونکر گفتگو کرنی چاہیئے۔ مجھ کو ہمیشہ یہ تاکید تھی کہ تُو کہکے ادنیٰ حلال خوری سے بھی کبھی نہ بولنا جب کہنا تم کہنا۔ اور بڑوں سے یا برابر کے نئی جان پہچان والوں سے آپ یا حضرت کہکر بولنا چاہیئے۔ اور جو شخص عمر یا رتبے میں برابر ہو اور اُس سے ایسی ہی بے تکلفی ہو تو چاہو آپ کہو چاہو تم کہو۔ اور بڑوں کے آنے کو تشریف لانا اور جانے کو تشریف لے جانا۔ اور بُلانے کو یاد کرنا۔ اور اُن کے مزاج کو مزاجِ مبارک یا مزاجِ عالی۔ اور اُن کے سلام کو تسلیم یا آداب یا کورنش یا بندگی۔ اور اُن کے گھر کو دولت خانہ۔ اور اُن کے کہنے کو فرمانا۔ یا

ارشاد کرنا۔ اور اُن کی اولاد کو صاحب زادہ یا صاحبزادی اور اُن کے نام کو اسمِ مبارک۔ یا اسمِ سامی۔ یا اسمِ شریف اور اُن کے وطن کو وطن مالوف کہنا چاہیئے۔ اسی طرح اپنے آنے کو حاضر ہونا اور کہنے کو عرض کرنا۔ اور گھر کو غریب خانہ۔ اور اولاد کو بندہ زادہ یا بندہ زادی کہنا چاہیئے۔ اور اپنے تئیں ہم کہنا۔ اور اپنے نام کے ساتھ سیّد یا شیخ یا مرزا لگانا بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔ اِس کے سوا جب میری زبان سے کوئی غلط لفظ نکلجاتا تو اُس کو صحیح کرکے بتادیتی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے منہ سے پھول والوں کی سَیل نکل گیا۔ امّاں جان نے جو سُنا۔ مسکرا کر کہنے لگیں۔ بٹیا! اِس شہر سے اور ساری خوبیاں تو بہت دن سے جاچکی تھیں۔ ایک لے دے کے ٹوٹی پھوٹی زبان رہ گئی تھی سو اُس کو بھی تم کھو یا چاہتے ہو۔ سنو! آج سے یہ بات یاد رکھو کہ جب کوئی نیا لفظ کسی سے سُنا کرو۔ ہم سے پوچھ لیا کرو۔ کہ یہ لفظ صحیح ہے یا غلط ہے؛ بعض غلطیاں تو ایسی ہیں

جن کو جاہل اور بازاری لوگ ہی بولتے ہیں اور کوئی نہیں
بولتا جیسے سیر کو سیل - مزاج کو مجاز - نسخہ کو نخسہ - کبوتر
کو قبوتر - پتھر کو پھتّر - دروازہ کو دروزّہ - بازار کو بزار -
محروم کو نامحروم - ناحق کو بے ناحق - اور ان کے سوا اور
سینکڑوں لفظ ہیں - سو ان کا بولنا بڑے عیب کی بات
ہے - اور بعض غلطیاں ایسی ہیں جو پڑھے لکھے اور
ان پڑھ سب کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں - جیسے تابعدار
بادشاہت - خیرات - چاکو - بکرید - مُرغن - شاباش - شاباشی
لاچار وغیرہ - سو ایسی غلطیوں کا کچھ مضائقہ نہیں - اسکے
سوا بہت سے اَچھوتے لفظ ایسے ہیں کہ عورتیں ہی بولتی
ہیں مرد نہیں بولتے - جیسے نوج - دُور پار - چھائیں پھوئیں
اب سے دُور - چل دُور - سدھارنا - مُوا - پچھل پائی -
داری - اچھی - اُبرا - مرنے جوگا - بھیّا - بجینا - نکھٹو - جانہار
بندا[1] - بُوا - مرَدُوا - رسنا بسنا - نگوڑا - جھلسا - بھاڑ میں
جائے - چولھے میں جائے - آگ لگو - درگور - بختاوری

[1] بدن -

بودلی وغیرہ۔ دیکھو کبھی کسی کے سامنے ایسے لفظ بول اُٹھو۔ لوگ تمہیں تو کچھ نہیں کہنے کے۔ ہاں یہ کہیں گے کہ لڑکا ماں کی صحبت میں رہ کر بولی بھی عورتوں ہی کی بولنے لگا۔ غرض آدمی کو چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنی زبان کو درست کرے۔ پھر اور زبانیں سیکھنے کا ارادہ کرے۔ نہیں تو وہی مثل ہوگی کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی چال بھول گیا۔ بس اسکا قاعدہ یہی ہے کہ جب کسی سے کوئی نیا لفظ سنو پہلے یہ دیکھ لو کہ اس شخص کے بولنے کی سند بھی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی اَن پڑھ یا بازاری آدمی ہے تو اُس لفظ کو جب تک کسی قابل آدمی کی زبان سے نہ سنو۔ کبھی زبان پر نہ لاؤ۔ اور سنو! کچھ زبان پڑھنے لکھنے سے دُرست نہیں ہوتی بلکہ دھیان رکھنے سے ہوتی ہے۔ جو پڑھے لکھے اِس کا خیال نہیں رکھتے ہمیشہ غلط لفظ بولتے ہیں اور جن کو یہ خیال رہتا ہے وہ اَن پڑھ ہوں یا باہر کے رہنے والے ہوں چند روز میں شہر کی زبان سیکھ جاتے ہیں۔ اِس کے سوا وقت بے وقت مجھ کو اور کام کام

باتیں سکھاتی رہتی تھیں - جو لفظ عربی یا فارسی کے اردو میں بولے جاتے ہیں اُن کے معنی - عربی - انگریزی فارسی - ہندی مہینوں کے نام - سنہ ہجری - عیسوی فصلی - بکرمی کی مفصل - جنتری سے تاریخ نکالنے کا طریقہ - چھوٹے بڑوں کے القاب - گھڑی گھنٹے کی کوک - اور سوئیوں کا حساب - مقیاس الموسم - قطب نما - دُوربین - خُردبین - اِن سب چیزوں کے دیکھنے کا قاعدہ - نقشہ سمجھنے کا گُر - اور اِسی طرح کی اور بیسیوں باتیں زبانی بتاتی رہتی تھیں - اِس کے سوا ایک بڑی بی بغداد کی رہنے والی اتفاق سے شہر میں آگئی تھیں - یہ عربی اور فارسی دونوں زبانیں خوب بولتی تھیں - اور اُن کو منظور یہ تھا کہ اگر کوئی میرے کھانے کپڑے کا ذِمّہ کرلے تو یہیں رہ پڑوں - کیونکہ اوّل تو عمر زیادہ تھی - دوسرے وطن بہت دُور تھا - آگے چل کر خرچ کی ایک کوڑی پاس نہ تھی - انہوں نے یہ سمجھا کہ جو دن زندگی کے ہیں یہیں کاٹ دیجے - شہر میں نواب ذوالفقار الدولہ کے ہاں

گھیری ہوئی تھیں۔ امّاں جان نے جو اُن کی تعریف سُنی ایک دن دعوت کے بہانہ سے اُن کو بلایا۔ دیکھا تو حقیقت میں اُن کی دونو زبانیں نہایت اچھی تھیں۔ امّاں جان نے اُن کے خرچ کا ذمہ کرکے اپنے ہاں رکھ لیا اور اُن کی ایسی خاطرداری کی کہ اُن کا بھی جی یہاں سے کہیں اور جانے کو نہ چاہا۔ وقت بے وقت جب مجھے اور کاموں سے فرصت ہوتی۔ اُن سے گفتگو کرنے بیٹھ جاتا اگرچہ میں نے عربی فارسی کچھ بہت نہیں پڑھی۔ مگر اُن کی صحبت میں مجھے یہ دونو زبانیں بولنی ایسی آگئیں کہ جس طرح اپنی بولی میں میری زبان کہیں نہیں رُکتی یہی حال ان دونو زبانوں میں ہے۔ خیر یہاں تک تو زبانی تربیت کا بیان ہوا۔ اب پڑھنے کا حال سُنیے۔ جب مجھ کو ساتواں برس لگا۔ اور ایک سیپارہ اور پنج سورہ میں حفظ کرچکا۔ امّاں جان نے مجھے اردو اور حساب شروع کرایا۔ نو برس کی عمر تک جس طرح اُنہوں نے مجھے تعلیم کیا اُس کی تفصیل بیان کرنے کو تو

ایک مدت چاہیئے مگر چند باتیں جن سے پڑھنے لکھنے میں
میری رائے روز بروز بڑھتی جاتی تھی وہ یہ تھیں کہ اول تو
جس دن سے میں نے کتاب پڑھنی شروع کی۔ امّاں جان
نے میرے کمرے میں پڑھنے لکھنے کے سامان کے سوا کچھ
نہ رکھا۔ سارے کمرے میں یا کتابیں تھیں یا ملکوں کے
نقشے دیواروں میں لگے ہوئے تھے۔ یا تختی۔ دوات۔ قلم
کاغذ۔ سلیٹ۔ ابر مُردہ۔ پنسل۔ ربڑ۔ یہ چیزیں تھیں۔ یا
لکھنے کی میز تھی۔ یا میرا پلنگ۔ اور اوڑھنا بچھونا۔ اور
فتیل سوز۔ اور فرش۔ چاندنی تھی یا گھڑی گھنٹہ تھا۔
اس کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ گویا وہ سارا کمرہ ہر وقت
مجھے تعلیم کرتا رہتا تھا۔ اس کے سوا جب امّاں جان نے
مجھے پڑھانا شروع کیا تو دس پندرہ دن تک میرا جی
پڑھنے میں جیسا چاہیئے ویسا نہ لگا۔ جب تک وہ بیٹھی
پڑھاتی جاتیں۔ میں بھی اُن کے خوف سے پڑھے جاتا۔
جہاں وہ اُٹھ کر کسی کام کو گئیں میں نے کھیلنا شروع کیا۔
انہوں نے میری لاگ بڑھانے کے لیے غلام امام جو انّا کا

بڑا بیٹا تھا اُس کو بھی میرے سبق میں شریک کر دیا۔ وہ مجھ سے عمر میں بھی بڑا تھا۔ اور اُس کا ذہن اور حافظہ بھی بہت اچھا تھا۔ اب مجھ کو یہ فکر ہوئی کہ ایسا نہ ہو اس سے کسی بات میں جھیپنا[1] پڑے اور ایک دو بار جو اماں جان نے پڑھنے میں اُسے شاباشی دی اور مجھے کچھ نہ کہا۔ اِس بات سے میرے دل پر ایک اور چوٹ لگی۔ اب دم بدم میرا شوق بڑھنا شروع ہوا۔ اِسکے سوا امتحان کی ایک ایسی گُر لگی ہوئی تھی کہ خواہی نخواہی محنت کرنی پڑتی تھی۔ اماں جان کا قاعدہ تھا کہ اتنا پڑھاتی نہ تھیں جتنا پُوچھتی تھیں۔ اول تو جس وقت سبق پڑھانے بیٹھتیں پہلے پانچ سات باتیں پچھلے سبق کی ضرور پُوچھ لیتیں۔ دوسرے رات کو جو اُن کے بیٹھنے کا معمول تھا اُسمیں بھی اکثر سوال کرتی رہتی تھیں۔ پھر جمعرات کا دن خاص امتحان ہی کے لیے مقرر تھا۔ مگر سوال ایسے آسان کرتیں جن کے جواب دینے میں ہم کو زیادہ دقت نہ پڑے۔ کیونکہ جس دن ہم امتحان میں

[1] شرمندہ ہونا۔

بڑے رہتے تھے - ہمارا ذہن رنج کے مارے اور بھی کُند ہو جاتا تھا - اور اکثر ایسے سوال کرتیں جن کے جواب میں ہم کو زیادہ تقریر کرنی پڑے - اِس سے ہماری بول چال بھی درست ہوتی جاتی تھی - اور تقریر ہی کی درستی کے لیے کتاب کا مطلب بھی ہم سے باربار پُوچھتی تھیں - جب تک ہم صاف صاف مطلب ادا نہ کر لیتے تھے آگے نہ چلتیں - اور اِس سے ہمارے سمجھنے نہ سمجھنے کا حال بھی کُھل جاتا تھا - اُردو کی عبارت پڑھنی ہم کو فقط اخبار کے دیکھنے سے آئی - ایک پرچہ اخبار کا اماں جان کے ہاں آگرہ سے آیا کرتا تھا - پہلے آپ دیکھتیں - پھر مجھے دے دیتیں - میں جس قدر روز دیکھ لیتا تھا - رات کو اُسکا مطلب امّاں جان کو سُنانا پڑتا تھا - کچھ تو اس خوف سے اور کچھ نئی نئی خبروں کے اشتیاق میں اخبار کو ہم خوب غور اور توجہ سے دیکھتے تھے - ساتویں دن اخبار آیا کرتا تھا اُس دن میرا یہ حال ہوتا تھا کہ شوق کے مارے باربار چٹھی رساں کے انتظار میں کبھی باہر جاتا تھا کبھی اندر

آتا تھا۔ کتاب کی عبارت صحیح اور درست پڑھوانے کا میری مخدومہ کو بڑا خیال تھا۔ پہلے تو ایک ایک حرف مجھ سے اُٹھواتیں۔ جب میں سارا سبق نکال لیتا تو ایک ایک فقرہ الگ الگ آپ پڑھ کر بتاتیں۔ اگر ہم بُری طرح پڑھتے یا ایک فقرے کو دوسرے فقرے میں ملا دیتے یا اضافت چھوڑ جاتے تو ایک دو بار پھر اپنی زبان سے بتا دیتیں۔ اور جو اِس پر بھی ہم اچھی طرح نہ پڑھتے تو ہماری نقل اُتار کر ہم کو غیرت دلاتیں۔ مجھے آہستہ پڑھنے کی بہت عادت تھی۔ آپ ہم سے بہت دُور جا بیٹھتیں اور یہ فرماتیں۔ بیٹا! ایسا پڑھو جو میں بھی سُنوں۔ مجھے خواہی نخواہی پُکار کے پڑھنا پڑتا۔ اور جو میں زیادہ چیخ کر پڑھنے لگتا تو یُوں فرماتیں۔ بیٹا! کتاب کو اِس طرح پڑھنا چاہیئے جیسے کوئی کسی سے باتیں کرتا ہو کتاب کو یہ سمجھو کہ ہمارے سامنے ایک دوست بیٹھا ہے اُس سے باتیں کر رہے ہیں۔ جو بات فقط یاد ہی کرانیکی ہوتی اُس میں کچھ سمجھنے کا کام نہ ہوتا اُس کو اِس قدر

یاد کراتیں کہ ہم پڑھتے پڑھتے ہلکان[1] ہو جاتے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ امّاں جان نے مجھ سے پہاڑے یاد کرانے میں ایسی محنت لی تھی کہ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ شاید ساری عمر مجھ سے یہی پہاڑے یاد کرائے جائیں گی ہم روز پانچ چار پہاڑے یاد کر کے سُنا دیا کرتے تھے مگر وہ یہی کہتیں۔ میاں! ابھی خوب زبان پر نہیں چڑھے اور یاد کرو۔ میں غلام امام سے کہا کرتا تھا کہ بھئی جس دن ان پہاڑوں سے پیچھا چھوٹے گا میں تو ایک آنے کے بتاشے بانٹونگا۔ جب ہم کسی بات کا جواب غور سے نہ دیتے اور یونہیں واہی تباہی بک اُٹھتے تو کسی نہ کسی حکمت سے ہماری فکر پر زور ڈالتیں۔ کبھی کہتیں جو صحیح جواب دے دیگا اُسکو کل آدھے دن سے چھٹی مل جائیگی۔ کبھی کہتیں۔ جو اِس وقت ہمارا دل خوش کر دیگا ہم اُسکو ایک بہت اچھی چیز دیں گے۔ اور جب ہم خوب فکر کر کے ٹھیک بات بتا دیتے تو جو وعدہ

---

[1] تھک جاتے۔

کیا تھا وہ پورا کر دیتیں اور یہ فرماتیں - کیوں جی! اگر میں
لالچ نہ دیتی تو تم کاہیکو غور کرتے؟ ایک دن کا ذکر ہے کہ
ہم اُسی وقت باہر سے بھان متی کا تماشا دیکھ کر آئے
تھے - اماں جان نے آتے ہی ہم سے کچھ عدد لکھوائے
یہاں تو دھیان اُدھر لگا ہوا تھا لکھتا کون؟ خیر جُوں تُوں
کرکے کچھ لکھا - مگر ایک آدھ عدد کے سوا سب غلط لکھے
اُنہوں نے تین یا چار بار لکھوائے - پھر بھی صحیح نہ ہوئے
اُنہوں نے کہا - لو بٹیا! جلدی سے یہ سب عدد لکھ لو تو
ہم تمہیں ایک بڑے مزے کی بات سنائیں - ہم نے فوراً
سوچ سوچ کر سب صحیح لکھ دیے - پھر میں نے کہا - امّاں
جان! وہ کیا بات ہے - اب سنا دیجیے؟ فرمایا - بٹیا!
تم نے ماماں کو بھی جا کر دیکھا اُس کا کیا حال ہے؟ میں نے
کہا خیر تو ہے - کیا ہوا؟ کہا - تم اسوقت باہر تھے - یہاں
کوٹھے پر مور ناچ رہا تھا - ماماں صاحب جو باورچیخانہ سے
گھی کی ہانڈی کوٹھڑی میں رکھنے چلیں - پیچھے پھر پھر کے
مور کو دیکھتی جاتی تھیں - آگے کہیں پنسیری پڑی تھی -

ٹھوکر جو لگی چاروں شانے چت جا پڑیں۔ ہانڈی کی ہانڈی گئی۔ گھی کا گھی برباد ہوا۔ اپنے ہاتھ پاؤں میں چوٹ لگی سو جدا۔ ذرا ان کو جا کر دیکھو تو سہی۔ میں نے کہا۔ ماماں بھی نری احمق ہی ہیں۔ امّاں جان نے کہا۔ میاں! اُسی پر کیا موقوف ہے۔ آدمی جب ایک کام کرنے میں دوسری طرف دھیان رکھیگا۔ اُس کا یہی حال ہوگا۔ میں تم سے بارہا کہہ چکی ہوں کہ جب تم سے کوئی بات پُوچھا کریں تو تم اُسی میں دھیان رکھا کرو۔ اُس وقت کھیل تماشے کا خیال چھوڑ دیا کرو۔ غرض قِصّہ تو بہت طول طویل ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ نو برس کی عمر میں اماں جان نے مجھ کو ایک سیپارہ اور پنج سورہ تو نوک زبان یاد کرا دیا۔ اور اردو عبارت پڑھنی اور سمجھنی مجھے ایسی آگئی جیسی چاہیئے۔ فارسی میں گلستان بوستان۔ ماٰلا بد۔ اخلاقِ محسنی۔ عربی میں صرف نحو کے دو دو تین تین رسالے۔ حساب میں اربعہ متناسبہ اور کسور عام۔ اِس کے سوا جغرافیۂ ہندوستان۔ تاریخ ہند

یہ سب چیزیں مجھ کو پڑھا دیں - اس میں نستعلیق کی تمام تختیاں اور کچھ کچھ قطعے بھی میں نے صاف کر لیے۔ مگر مجھ کو جو امّاں جان نے اب تک مکتب میں نہیں بٹھایا تھا۔ اس لیے ہمارے سارے کنبے میں اس بات کا چرچا تھا کہ دیکھو میر امجد علی مرحوم کے لڑکے کو اُس کی اماں نے اب تک مکتب میں نہیں بٹھایا۔ آج کو میر صاحب جیتے ہوتے تو وہ کہیں کا کہیں پہنچتا۔ دیکھیے عورتوں کے پھندے میں جا پھنسا ہے۔ خدا ہی ہو جو یہ لڑکا پڑھ لکھ کر کسی قابل ہو۔ ہمارے مکان کے برابر دو مکان اور ملے ہوئے تھے۔ ایک میں تو دادی جان رہتی تھیں اور دوسرے میں پھپّی امّاں رہتی تھیں۔ دروازے تو تینوں مکانوں کے الگ الگ تھے مگر اندر کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں۔ اِن میں سے عورتوں کی آمدورفت برابر رہتی تھی۔ دادی صاحب تو کدھی کدھار تشریف لے آتی تھیں مگر پھپّی اماں کا ایک پھیرا روز ہوتا تھا۔ اور اُن کی صاحبزادی خدیجہ خاتون جن کو میری مخدومہ

ہی نے پڑھایا لکھایا تھا - وہ جب اپنی سسرال سے
آتی تھیں سارے دن ہمارے ہی گھر رہتی تھیں - مجھے
خوب یاد ہے کہ میری عمر کچھ کم نو برس کی تھی اور رمضان
کا مہینا تھا کہ ایک دن پھپّی اماں ہمارے ہاں بیٹھی تھیں
اور آپا خدیجہ بھی اُس دن آئی ہوئی تھیں - باتوں باتوں
میں اماں جان سے کہنے لگیں - بُوا ! سیّد کی کیا عمر ہوگی؟
انہوں نے کہا - بکرید کی اٹھارویں کو دسواں برس لگیگا -
پھپّی اماں نے کہا - بی ! میں جانتی ہوں - شاید تمہارا
ارادہ اِسے پڑھانے لِکھانے کا نہیں ہے ؟ زمانہ کا
دستور ہے کہ جہاں بچہ کی بِسمَلّہ ہوئی اُسے مکتب میں
بٹھا دیا - تمہارے بچے کو سلامتی سے اب دسواں برس
لگنے لگا ہے - تم نے آج تک اُسے اُستاد کی شکل
نہیں دکھائی - سچ تو کہو تمہارا ارادہ کیا ہے ؟ کہیں اسکے
دشمنوں کو دور پار جاہل رکھوگی ؟ ہمارے گھرانے میں
تو آج تک کوئی جاہل نہیں ہوا تھا - اماں جان نے کہا
صاحب پڑھتا تو ہے - اور کس طرح پڑھا کرتے ہیں ؟ اب

خدا کریگا اُس کو دسواں برس لگیگا تو مکتب میں بھی بٹھا دوں گی ۔ پھپھی امّاں نے بدمزہ ہو کر کہا ۔ بُوا ! تمہاری باتیں تو سارے جہان سے نرالی ہیں ۔ اگر بچے گھروں ہی میں پڑھ لیا کریں تو اُستاد کے پاس کوئی کاہے کو بٹھائے ۔ ہم نے تو کسی کے بچے اِسطرح پڑھتے سُنے نہیں ۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ ۔ وہ سلامتی سے پڑھتا کون سے وقت ہے ؟ میں تو جب سنتی ہوں یہی سنتی ہوں کہ لڑکا ہواخوری کو گیا ہے ۔ نہا رہا ہے اصطبل میں کبڈّی یا گیند بلّا کھیل رہا ہے ۔ کُشتی لڑ رہا ہے بچّوں کے ساتھ دوڑتا پھرتا ہے ۔ بندوق کے نشانے لگا رہا ہے ۔ گھوڑا پھیرنے گیا ہے ۔ یا یہ سُنتی ہوں کہ گھر میں بیٹھا اماں جان سے کہانیاں سُن رہا ہے ۔ یا بڑی بی کے ساتھ مغز زنی کر رہا ہے ۔ اُسے کبھی مارتیں تم نہیں ۔ دھمکاتی تم نہیں ۔ بھلا یہ بھی کہیں پڑھنے لکھنے کے قرینے[۱] ہوتے ہیں ۔ صاحب !

[۱] طریقے ۔ ڈھنگ ۔

بچے کو جب تک چار پہر برابر اُستاد کی قید نہ رہے
پڑھنا لکھنا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک کل سے
اُس کو مدرسے میں بھیج دیا کرو۔ بس بہت آوارہ
رہ چکا۔ اتنی بھی ڈھیلی ڈور چھوڑنی اچھی نہیں۔ کیا تم
نہیں جانتیں کہ بھائی بہشتی کو علم کا کیسا شوق تھا؟
اِس کی آوارگی سے اُن کے دشمنوں کی روح پر
صدمہ ہوگا۔ یہ سُن کر اماں جان مسکرائیں اور یہ کہا
کہ باجی جان[۱]! اگر آپ اور میں اور میرا سعید دس برس
اور جیتے رہے۔ اور خدا کو بھی منظور ہوا تو اس آوارگی کا
ثمرہ[۲] دکھا دوں گی۔ اگر آج کو تمہارے بھائی جیتے ہوتے
تو میری محنت کی داد دیتے۔ آپ میری بڑی ہیں۔
میری بزرگ ہیں۔ آپ کا کہنا میرے سر آنکھوں پر۔
مگر گستاخی معاف! آپ کو اس میں تجربہ نہیں ہوا
بچوں کا تعلیم کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ اس میں
جلدی کرنی اور دیر لگانی دونوں بُری۔ بچے کو بہت

[۱] بڑی بہن [۲] پھل۔ نتیجہ۔

تنبیہ کرنی اچھی نہ بہت سر چڑھانا اچھا۔ نہ اُس سے اتنی
محنت لینی چاہیئے کہ گھبرا اُٹھے۔ نہ ایسی مہلت دینی چاہیئے
کہ آوارہ ہو جائے۔ بچّہ پڑھنے لکھنے کی طرف سے ایک
وحشی جانور ہوتا ہے۔ اُس کو پرچانا اور قابو میں لانا کچھ
ہنسی کھیل نہیں ہے۔ آپ بہت دور کیوں جائیں؟ یہ تو
کل کی بات ہے کہ خدیجہ خاتون مجھ سے پڑھتی تھیں
پانچ برس کی عمر سے میرے ہی طور پر تعلیم پاتی رہیں۔ آج
خدا کے فضل سے ہماری ہماری قوم کی لڑکیوں میں جسقدر
علم اور آدمیت اور ہر ایک بات کا سلیقہ ان میں ہے
کسی اور میں ہو تو بتا دو؟ انہی سے پُوچھیے کہ میں نے
ان کو کون سے دن مارا؟ کون سے دن دھمکایا؟ تین
چار گھنٹے کے سوا میں نے کبھی پڑھنے میں ان سے
محنت نہیں لی۔ اور نہ آٹھ برس کی عمر تک میں نے
ان پر کسی طرح کی روک رکھی۔ وہ کونسا کھیل ہے جو
یہ نہیں کھیلیں؟ چھچّی امّاں نے کہا۔ بی یہاں میری بیٹی کا
کیا ذکر ہے؟ یہ تو عورت ذات تھی۔ پڑھتی پڑھتی۔

نہ پڑھتی نہ پڑھتی - ہمارے ہی کنبے میں سیکڑوں لڑکیاں اَن پڑھ ہیں- کیا دُور پار اُن کو کہیں بَر[1] نہیں ملنے کا؟ یا اُن کو کوئی مجلس میں نہیں بٹھانے کا؟ پر بھلے مانس کا بیٹا خدا نہ کرے جو جاہل رہے- اور بُوا بُرا مانو یا بھلا مانو ہم نے تو اپنی یاد میں کوئی لڑکا ماں سے پڑھتا دیکھا نہیں- خیر اپنی اپنی سمجھ ہے- تمہاری سمجھ میں یُوں ہی آیا- اب تم کسی کا کہنا کاہے کو مانو گی؟ امّاں جان نے کہا- سچ کہنا باجی جان! جب خدیجہ خاتون پانچ چھ مہینے کی تھیں تو تم اُن کو گھٹی کیونکر پلایا کرتی تھیں؟ کہا چمچوں سے پلاتی تھی اور کیونکر پلاتی؟ امّاں جان نے کہا- جب یہ گھٹی پیتے پیتے رونے لگتی تھیں تو بھی آپ برابر گھٹی ہی پلائے جاتی تھیں؟ کہا- بی جیسا زمانہ کا دستور ہے- تھوڑی دیر انّا کو دودھ پلانے کے لیے دے دیتی تھی- جب خاموش ہو جاتی پھر پلانے لگتی تھی- امّاں جان نے کہا اور اب جو کبھی

[1] شوہر

اُن کے دشمن مانند ے ہوتے ہیں۔ اب بھی اُنہیں
ٹھنڈائی چمچوں ہی سے پلائی ہو یا ایک ہی قدح بھر کر
پلوا دیتی ہو؟ پھپی اماں نے کہا۔ بُوا خیر ہے میں کوئی
دیوانی ہوں۔ جواب چمچوں سے پلواؤں؟ اماں جان نے
کہا۔ بس یہی سمجھ لیجیے۔ میرے نزدیک بچے کو علم
پڑھانا اور کڑوی دوا پلانی برابر ہے۔ اسی لیے جبتک
وہ علم کے فائدوں کو نہ سمجھے اُسکو تعلیم بھی اسی طرح
دینی چاہیئے۔ جس طرح گھٹی کو تھوڑا تھوڑا کر کے
پلاتے ہیں۔ اور جس وقت اُس کا جی پڑھنے لکھنے سے
گھبرانے لگے تو کھیل کود میں اُس کا دل بہلانا چاہیئے۔
اور میں نے تو اُس کے کھیلنے کا کوئی وقت ہی نہیں
چھوڑا۔ یہی باتیں جو آپ کے نزدیک آوارگی میں
داخل ہیں اگر مجھ سے پوچھیئے تو پڑھنے لکھنے سے بھی
زیادہ مفید ہیں۔ آگے روز پانچ گھنٹے برابر پڑھتا ہے
بڑی بی سے فارسی عربی بولنی سیکھتا ہے۔ رات کو
جو میرے پاس گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھتا ہے اُس میں بھی

اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اول تو میں اس سے یہی پڑھنے لکھنے کی باتیں امتحان کے طور پر پوچھتی رہتی ہوں اس کے سوا جو کوئی قصہ کہانی کہتی ہوں۔ اُس سے بھی اس کو کچھ نہ کچھ نصیحت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ آدمی کا قاعدہ ہے کہ لاکھ اُس سے کسی بات کو کہو یا کسی کام سے منع کرو اُس کے کان پر جوں نہیں چلتی۔ اور جو قصے کہانیوں میں کسی چیز کی بُرائی یا بھلائی سُنتا ہے تو اُس کے دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن امّاں جان نے میرے سامنے یہ نقل بیان کی کہ ایک بھلے مانس کا لڑکا کہیں بیاہنے چڑھتا تھا۔ اُس نے دو چار گھڑی کو کسی اپنے دوست کا دوشالہ مانگ لیا۔ جب بیٹی والوں کے ہاں جا کر برات اُتری۔ ایک آدمی نے پُوچھا۔ کیوں صاحب! دُولھا کون سے ہیں؟ جس سے دولھا نے دوشالہ مانگا تھا۔ کہیں وہ بھی وہیں کھڑا تھا۔ کہا حضرت! دُولھا تو وہ بیٹھے ہیں پر دوشالہ مانگے کا ہے۔ دُولھا

بیچارہ یہ بات سُن کر پانی پانی[1] ہوگیا اور دوشالہ اُتار کر اُس کے حوالے کیا۔ اُس نے کہا بھئی اب کے تو مجھ سے قصور ہوگیا۔ خیر اسے تو معاف کیجے۔ پر اب ایسا نہیں ہونیکا۔ اور وہ دوشالہ دولھا ہی کو پھر دیدیا تھوڑی دیر میں ایک اور شخص اسی طرح پوچھتا ہوا چلا آیا۔ اُس نے کہا صاحب! دولھا یہ بیٹھے ہیں اور دوشالہ بھی اِنہیں کا ہے۔ دُولھا نے دوشالہ اُتار کر پھینک دیا۔ اور کہا ایسے اوچھے کے احسان سے خدا بچائے۔ اُس نے پھر منت معذرت کرکے دوشالہ دے دیا۔ تھوڑی دیر میں ایک تیسرا اور پوچھتا چلا آیا اُس نے جلدی سے دوڑ کر کہا۔ حضرت! دُولھا تو یہ ہیں اور دوشالے کا کچھ ذکر نہیں۔ آخر لاچار ہوکر دُولھا نے اُس کا دوشالہ اُس کے حوالے کیا۔ اور پھر تمام عمر اُس سے کوئی چیز نہ مانگی۔ جس دن سے میں نے یہ نقل سُنی ہے احسان جتانے کو میرا کبھی جی نہیں چاہتا

---

[1] بہت شرمندہ ہوا۔

یہاں تک تو ہوا کہ اماں جان کی زندگی ہی میں ایک دن رات کے وقت دس گیارہ بجے مغلانی کی بیٹی کو پیاس لگی۔ اُس نے پانی مانگا۔ میں اُس وقت کچھ سی رہی تھی۔ میں نے اُٹھ کر اُسے پانی پلا دیا۔ امّاں جان بھی کہیں اُس وقت جاگ رہی تھیں۔ صبح کو جان بوجھ کر مجھ سے پوچھنے لگیں۔ کیوں جی! تم رات کو بیٹھی سیا کیں[1] اور انّا کی بیٹی کو اُٹھ کر پانی نہ پلایا گیا؟ میں نے اُن کی خفگی تو اُٹھائی مگر میرے منہ سے یہ نہ نکلا کہ میں نے تو اُسی وقت اُٹھ کر پانی پلا دیا تھا۔ میں نے کہا ایسا نہ ہو کہیں اس سے میرا اوچھا پن پایا جائے۔ جب امّاں جان نے دیکھا کہ یہ اس خیال سے نہیں کہتی۔ کہا بیٹیا! جب اپنے اوپر کسی طرح کا الزام آئے وہاں احسان جتانا کچھ بُری بات نہیں ہے اور یہ کہکر مجھے گلے لگایا۔ اور یہ جو آپ نے کہا کہ عورت ذات کو پڑھنے لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اگر مجھ سے پوچھیے تو

---

(۱) سیتی رہیں۔

عورتوں کو مردوں سے بھی زیادہ پڑھنے لکھنے کی ضرورت ہے

باجی جان! آپ کو میرے ہی سر کی قسم۔ جب بھائی جان کا خط آتا ہے اور اُس وقت کوئی پڑھنے والا گھر میں نہیں ہوتا تو آپ کا جی گھبراتا ہے یا نہیں؟ اور جو پہر دوپہر کوئی خط پڑھنے والا میسّر نہ آئے اور اُس میں کوئی بات جلدی کی لکھی ہو تو کیسی مشکل پڑے؟ اگر مرد اَن پڑھ ہوگا تو بلا سے کہیں نہ کہیں جا کر پڑھوا تو لیگا۔

آٹھویں مجلس

سیّد عباس کہتا ہے کہ میری مخدومہ نے پھپّی صاحب بحث تو اس قدر کی۔ لیکن اگلے ہی دن اُن کی ناخوشی کے خیال سے مجھے اور غلام امام کو پڑھنے بٹھا دیا۔ ایک مولوی صاحب پُورب کے رہنے والے دلی میں فقہ حدیث پڑھنے کو آئے ہوئے تھے۔ اُن کی استعداد عربی میں تو بہت ہی اچھی تھی مگر فارسی میں بھی اُن کی اِنشا پردازی شہر میں مشہور ہوگئی تھی۔ پہلے تو امّاں جان نے اُن کے سپرد کیا اور پانچ روپیہ مہینا اور ایک وقت کا کھانا اُن کے لیے مقرر کر دیا۔ اور پانچ روپیہ مہینا اور ایک وقت کا کھانا اُن کو ایک اور جگہ سے ملتا تھا۔ اور دو ایک لڑکوں کو وہ بے تنخواہ بھی پڑھاتے تھے۔ غرض ہم پانچ چار لڑکے اُن سے پڑھتے تھے۔

میں نے اور غلام امام نے برس دن کے قریب ان سے پڑھا۔ اِس عرصے میں عربی صرف و نحو کے دو تین رسالے جو باقی رہے تھے وہ پڑھے۔ ایک آدھ کتاب فارسی میں دیکھی۔ کچھ مسودہ لکھا۔ مگر جیسا امّاں جان کی تعلیم میں میرا شوق اور استعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی وہ بات یہاں بالکل نہ رہی۔ کیونکہ اول تو کوئی میرا ہم سبق نہ تھا۔ جس کی لاگ پر کچھ پڑھنے میں تندہی کرتا۔ سب لڑکے اپنے اپنے سبق جُدا پڑھتے تھے۔ اور غلام امام جو میرا شریک تھا بیچ میں چند روز کو بیمار ہو گیا تھا پھر جو آیا تو اُس کا سبق مجھ سے کہیں پیچھے تھا۔ مولوی صاحب نے اُس کو وہیں سے پڑھانا شروع کر دیا۔ دوسرے امتحان کا بھی اُن کے ہاں دستور نہ تھا۔ اِس سے اور بھی ہم بے فکر رہتے تھے۔ اِس کے سوا تم جانتے ہو ہمعمروں کی صحبت بھی غضب ہوتی ہے۔ جب تک وہاں رہتے اشاروں سے باتیں کرتے رہتے جب چھٹی ملتی تو ترکمان دروازے پتنگ بازی کی سیر

دیکھنے چلے جاتے۔ آخر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ہم کو بھی پتنگ اُڑانے کا شوق ہو گیا۔ آنہ دو آنے جو اماں جان سودے کو دیتی تھیں۔ وہ بھی اسی میں صرف ہونے لگا۔ چند روز میں جو کچھ پڑھا لکھا تھا سب چوپٹ ہو گیا[۱]۔ مولوی صاحب نے بھی دیکھا کہ یا تو اس کا وہ حال تھا کہ مطالعہ بھی اچھا نکال لاتا تھا۔ سبق بھی روز یاد کر لیتا تھا۔ کبھی کبھی جو پچھلی پڑھی ہوئی کوئی بات پوچھی جاتی تھی۔ اُس کا جواب بھی خاصا دے دیتا تھا۔ یا اب روز بروز بگڑتا جاتا ہے۔ دو چار بار تو انھوں نے تنبیہ کی۔ مگر جب دیکھا کہ اِس کو کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ایک دن میرے پس غیبت ڈیوڑھی پر آن کر سارا حال ماماں کے ہاتھ اماں جان کو کہلا بھیجا۔ اور پتنگ بازی کی بھی اُن کو کچھ خبر لگ گئی تھی یہ بھی ماماں سے کہدیا۔ اماں جان نے ماماں سے کہا کہ جاؤ مولوی صاحب سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ آپ جانتے ہیں اس کی عمر اب مار کھانیکی

[۱] بھول گیا۔

نہیں ہے۔ سلامتی سے کوئی دن میں اب گیارھواں سال لگنے والا ہے۔ دو تین برس میں اللہ رکھو جوان ہو جائیگا۔ دوسرے اُس کو غیرت بھی بہت ہے۔ مجھے گھُرکتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ اگر مقابلہ کر بیٹھا تو مشکل ہے۔ اور جو دور پار کہیں چلا گیا تو اَور زیادہ مشکل پھر مجھے زندگی کاٹنی دشوار ہو جائیگی۔ مگر مجھے امید ہے کہ جو میں کہوں گی وہ مان جائیگا۔ الٰہی! دُنیا ہو اور میرا سیّد عباس ہو آج تک تو کبھی میرے کہنے سے باہر نہیں ہوا۔ مگر زمانہ بہت نازک ہے آج کل اولاد کو ماں باپ سے پھرتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ خیر جس طرح ہوگا میں اُس کو سمجھاؤنگی۔ مگر جن لڑکوں کی صحبت میں وہ بگڑا ہے اُن کا بندوبست آپکے ہاتھ ہے یہ سن کر مولوی تو چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں جو گھر میں آیا تو اماں جان کو اور دنوں سے زیادہ مہربان پایا۔ خفگی کا تو کیا ذکر تھا۔ اور الٹی بات بات میں خاطرداری کرنے لگیں۔ میں نے کچھ اُڑتی سی خبر سنی تھی کہ مولوی صاحب آج کچھ فریاد لے کر آئے تھے لیکن اِن باتوں سے وہ کھٹکا بھی جاتا رہا۔ رات کو جب سب کھانا کھا چکے امّاں جان اپنے معمول کے موافق بیٹھ کر کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں

اِس میں آپا خدیجہ بھی آگئیں اور میں تو پہلے ہی سے بیٹھا تھا۔ امّاں جان اُن سے کہنے لگیں۔ لو بی! تم روز کہا کرتی ہو کہ مجھے پہیلیاں بُوجھنی خوب آتی ہیں بھلا ایک ہماری پہیلی تو بُوجھ دو؟ اُنھوں نے کہا۔ فرمائیے؟ سمجھ میں آجائیگی تو بتا دوں گی۔ امّاں جان نے کہا۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ خدا کی پیدائش آدمی بھی ہے جانور بھی۔ اِن دونوں میں اچھا کون ہے؟ ابھی باجی جان جواب دینے نہ پائی تھیں۔ میں نے کہا کہ اماں جان! آپ کہیں تو میں بتاؤں۔ اُنھوں نے کہا۔ اچھا میاں تم ہی بتاؤ۔ میں نے کہا۔ آدمی اچھا ہے۔ اُنھوں نے کہا۔ کیوں میاں! آدمی میں جانور سے کونسی بات سوا ہے؟ کیا جانور کے دیکھنے کو آنکھ نہیں؟ یا سننے کو کان نہیں؟ یا سونگھنے کو ناک نہیں؟ یا مزا چکھنے کو زبان نہیں؟ یا وہ اپنے دشمن کو نہیں پہچانتا؟ یا وہ اپنے ہم جنسوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتا؟ ہمارے نزدیک تو جو باتیں آدمی میں ہیں۔ وہی جانور

میں ہیں۔ میں نے کہا۔ جانور میں آدمی کی سی سمجھ کہاں ہے؟ امّاں جان نے کہا۔ جانور تو بات کو ایسا سمجھتا ہے کہ آدمی بھی نہیں سمجھتا۔ میں نے ایک کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک دریا پر کچھ آدمی کشتی میں بیٹھے چلے جاتے تھے کہ ایک بارگی طوفان آیا اور اُس کے زور سے کشتی ریتے میں جا بیٹھی۔ اب وہاں سے اُن کے نکلنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ ایک خدا کا بندہ دریا پر جا پہنچا۔ اُس کے ساتھ ایک کتّا تھا۔ اُس نے جو کشتی والوں کا یہ حال دیکھا فوراً ایک چھوٹی سی لکڑی کتّے کے منہ میں دے کر کشتی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اُس کے اشارہ کو سمجھ گیا۔ اور دریا میں کود کر پانی کو چیرتا ہوا کشتی کے لگ بھگ جا پہنچا۔ مگر آگے دلدل تھی۔ وہاں کیونکر جاتا؟ اب کشتی والوں کا منہ تک رہا ہے اور یہ جتا رہا ہے کہ اگر تم سے کچھ ہو سکے تو کرو۔ آخر اُنکی سمجھ میں بھی آ گئی۔ اُنہوں نے رسّی میں ایک لکڑی

باندھ کتّے کی طرف پھینکی۔ اُس نے اپنے منہ کی لکڑی تو وہیں چھوڑی اور اُچک کر اُس لکڑی کو منہ میں تھام لیا۔ اور اُس کو کھینچتا ہوا کنارے پر پہنچا اور اپنے مالک کو دیدی۔ اب رسی کا ایک سرا تو اُس کے مالک نے تھام لیا اور دوسرا کشتی والوں نے کشتی میں مضبوط باندھ دیا۔ اور رسّی کے سہارے سے ایک ایک آدمی وہاں سے نکل آیا۔ سچ کہنا جس طرح وہ کُتّا اپنے مالک کے دل کی بات کو اور کشتی والوں کے منصوبے کو فوراً سمجھ گیا۔ اگر تم وہاں ہوتے تو تم بھی سمجھ جاتے؟ میں نے کہا۔ نہیں صاحب! یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اچھا ہم نے مانا کہ جانور بھی آدمی کی سی سمجھ رکھتا ہے۔ لیکن اُس میں آدمی کی سی محبّت اور وفاداری کہاں؟ امّاں جان نے کہا۔ بیٹیا! بھلا کُتّے کی وفاداری تو مشہور ہے۔ اس کو تو سینکڑوں آدمی جانتے ہوں گے۔ مگر تم اس کو بھی جانے دو۔

تیتر کی بھی کچھ حقیقت ہے ؟ ابا جان کسی انگریز سے سنی ہوئی کہتے تھے کہ ایک شخص نے تیتر کو ایسا ہلا یا تھا کہ وہ جہاں چاہتا تھا اُڑ کر چلا جاتا تھا۔ اور پانچ پانچ چھ چھ دن کے بعد پھر اُسی کے پاس چلا آتا تھا۔ جب تیتر کا مالک بیمار ہوا اور اُس کی حالت غیر ہوئی تو تیتر نے سب دانہ پانی چھوڑ دیا۔ جب وہ مرگیا اور اُسے دفن کرنے کو لے چلے تو تیتر کا یہ حال تھا کہ بار بار اُس کے جنازہ پر قربان ہوتا تھا۔ جب لوگ اُسے گاڑ داب کر چلے آئے تو وہیں ایک سرو کا درخت تھا اُس پر رہنے لگا۔ جب بھوک لگتی تو وہاں سے اُڑ کر اُس کے گھر چلا جاتا۔ اُسکی ماں کچھ دانہ پانی اُس کے آگے ڈال دیتی۔ جہاں پیٹ بھرا پھر اُسی سرو کے درخت پر چلا آتا۔ آخر تین چار مہینے کے بعد وہیں مر رہا۔ بھلا اس سے زیادہ اور کیا وفاداری ہوگی ؟ میں نے کہا۔ اماں جان ! خیر یہ بھی میں نے مانا۔ مگر آدمی میں اور جانوروں

خوبیاں ایسی ہیں جو جانوروں میں نہیں۔ ہمارا سا صبراور استقلال اُن میں کہاں ہے؟ ہماری سی تمیز اُن میں کہاں؟ ہم اپنے ہاتھ سے طرح طرح کی چیزیں بناتے ہیں۔ کوئی جانور کی کاریگری تو دکھا دیجیے! ہمیں جہاں دشمن کا ڈر ہوتا ہے۔ وہاں اپنے بچاؤ کے لیے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔ بھلا جانور بیچارے یہ باتیں کیا جانیں؟ اِس کے سوا ہمیں جو کچھ سکھائیے سیکھ سکتے ہیں۔ جانور بھلا کیا سیکھے گا؟ اماں جان نے کہا۔ یہ بھی غلط ہے۔ اِن میں سے کوئی بات ایسی نہیں جو جانوروں میں نہ پائی جائے۔ خارپشت کے بدن میں تم لکڑی چھو کر دیکھو وہ فوراً سمٹ کر گیند کی صورت بن جائیگا اور جو چلتا ہوگا تو ٹھہر جائیگا۔ وہ جو مثل مشہور ہے کہ ایک چُپ سَو کو ہرائے۔ سو یہ بات ہم نے اسی میں دیکھی ہے۔ بیٹیا! اور صبرو استقلال کسے کہتے ہیں؟ آگے تمیز کی جو پوچھو؟ تو گلہری کو دیکھ لو کہ جب کسی پیڑ پر بیٹھ کر اُس کا پھل کھاتی ہے

تو پہلے کُتر کُتر کر اُسکا چھلکا اُتار ڈالتی ہے اور گودا
کھا لیتی ہے۔ کاریگری میں بھڑ اور مکڑی اور بیا
تم سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ بھڑ کا سا چھتا اور
بئے کا سا گھونسلا اور مکڑی کا سا جالا تم سے
ہرگز نہیں بن سکتا۔ مکڑی کو خدا نے یہ کیسی سمجھ
دی ہے کہ جب کوئی بڑی مکھی اُس کے جال میں
آ پھنستی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ اُس کے تڑپنے
سے جالا ٹوٹ جائیگا۔ تو وہ مکھی کے پاس سے
جالے کے تاروں کو اپنے دانتوں سے کاٹ دیتی ہے
مکھی فوراً نکل جاتی ہے۔ اور اپنے بچاؤ کی تدبیر تو
جیسی جنگلی بطخ کرتی ہے ایسی کسی سے بھی نہیں
ہو سکتی۔ میں نے سُنا ہے کہ جب یہ اکھٹی ہو کر
اُڑتی ہیں اور کسی کھیت میں چُگنے کو اُترتی ہیں۔ تو
پہلے اُسی کھیت کے گرد بیسیوں چکر لگا لیتی ہیں۔
جب خوب دیکھ لیتی ہیں کہ یہاں کچھ کھٹکا نہیں ہے
تو نیچے اُترتی ہیں۔ اور اُتر کر دو دو گھڑی منہ اُٹھائے ہو

چپ چاپ اِدھر اُدھر دیکھتی رہتی ہیں۔ جب کہیں
کچھ آہٹ نہیں پاتیں تو جو بطخ اُن سب میں بڑی
ہوتی ہے وہ اُن کو کچھ ایسا اشارہ کرتی ہے کہ سب
قرینہ کے ساتھ کھیت میں پھیل جاتی ہیں مگر ایک بطخ
برابر چوکسی کرتی رہتی ہے اور ایک پاؤں سے
کھڑی رہتی ہے اور دانہ چگنے کے پاس نہیں جاتی
جب وہ اپنا پہرہ دے چکتی ہے تو جو بطخ اُس کے
پاس ہوتی ہے۔ زور سے اُس کو ٹھونگ ماردیتی ہے
اور جو وہ پہلی ہی ٹھونگ میں ہوشیار نہ ہوئی۔ تو
اس کے پر گھسوٹ لیتی ہے۔ اور چلانے لگتی ہے
جیسے کوئی فریاد کرتا ہو۔ پس اگر آدمی بھی اپنی
چوکسی کرے گا تو اتنی ہی کرے گا۔ اور یہ جو
تم نے کہا کہ جانور آدمی کی برابر تربیت نہیں قبول کرتا
یہ تمہاری ناتجربہ کاری کی بات ہے۔ اس بات میں
کتے اور گھوڑا کسی طرح آدمی سے کچھ کم نہیں۔
سدھے ہوئے کتے اور گھوڑے نے ہزاروں جگہ

ایسے کام کیے ہیں کہ کیا کوئی شائستہ آدمی کریگا۔

آخر جب ہم سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو میں نے کہا۔ امّاں جان! پھر آپ ہی بتائیے کہ آدمی اور جانور میں کیا فرق ہے؟ امّاں جان نے کہا۔ بیٹا! آدمی اور جانور میں یہ فرق ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدمی کو وہ طاقت دی ہے کہ اگر چاہے تو اپنی عقل کے زور سے بڑھتے بڑھتے کہیں کا کہیں پہنچ جائے اور جانور بیچارہ اپنے جس حال میں ہے اُس سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دیکھو لکڑی کا جالا اور بئے کا گھونسلا اور بھڑ کا چھتّا۔ جہاں دیکھو گے اور جب دیکھو گے ایک ہی وضع کا پاؤ گے جو گھونسلا بئے نے حضرت نوح کی کشتی میں بنایا ہوگا اُس میں اور اب کے گھونسلوں میں بال برابر فرق نہیں۔ اور آدمی کا کمال عقل کی بدولت یہانتک پہنچ گیا کہ اگر کوئی جنگلی آدمی دِلّی کی جامع مسجد اور آگرہ کا تاج گنج دیکھ پائے تو بیشک اُس کو ایک

طلسمات کا عالم سمجھے - اسی طرح بھینس یا ہاتھی جب دریا میں اُتریں گے - تیر کر اپنے سینہ کے زور سے جائیں گے - اور آدمی نے اپنی عقل کے زور سے طرح طرح کے پُل اور جہاز بنا کر دریا کا سفر ایسا آسان کر دیا کہ آنکھ بند کر کے جہاں چاہو چلے جاؤ - اسیطرح گھوڑے کو جب بھوک لگیگی جنگل میں جا کر گھانس پھونس سے اپنا پیٹ بھریگا اور آدمی نے اپنے دل کی اُپج سے ایسے ایسے کھانے نکالے ہیں کہ اگر کوئی پہاڑی آدمی دلّی اور لکھنؤ کے کھانوں کا مزہ چکھ لے تو انگلیاں چاٹتا رہجائے بٹیا! ایک زمانہ وہ تھا کہ آدمی درختوں کے پتّوں سے اپنا بدن ڈھانک کر زندگی کے دن پورے کرتے تھے اور ایک یہ زمانہ ہے کہ ایک سے ایک عجیب کپڑا ولایت سے چلا آتا ہے - آگے دنیا میں چاند اور سورج کی روشنی کے سوا اور کوئی روشنی کی چیز نہ تھی - پھر چراغ اور شمع اور کنول اور جھاڑ اور

فانوس نکلے۔ اب سنتی ہوں کہ کلکتے میں لندن کے عقلمندوں نے ایک کارخانہ بنایا ہے۔ وہاں سے رات کو شہر کے ایک ایک مکان اور ایک ایک دوکان میں خودبخود روشنی ہو جاتی ہے۔ اور ہر ایک مکان کو تمام رات روشن رکھتی ہے۔ اور کتنا ہی بڑا مکان کیوں نہ ہو اس کے ایک ایک کونے میں برابر پہنچتی ہے۔ آگے چل کر انگریزی دیاسلائیوں کو دیکھو۔ پہلے جب کہیں گھانس پھونس سے آگ جلاتے تھے جب جاکر چراغ جلتا تھا۔ اس کے بعد گندک کی دیاسلائی نکلی۔ اس سے گھانس پھونس کی ضرورت نہ رہی۔ اب اس دیاسلائی سے آگ کی بھی حاجت نہ رہی۔ دیاسلائی کو جہاں بکس کے ڈھکنے پر رکھ کر ذرا گھسا فوراً دہک اٹھی

پہلے لُو کا بچاؤ کہیں نہ تھا آدمی درخت کے سایہ میں یا پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ کر دن کاٹ دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ مکان بننے لگے۔ ان کی چھت اور

دیواروں سے ہوا کی کچھ کچھ روک ہو گئی۔ پھر
لوگوں نے تہ خانے نکالے۔ اب خس کی ٹٹیاں
اور چرخے کے پنکھے ایسے نکلے کہ جہاں لگا دو وہیں
جنّت کی ہوا آنے لگے۔ پہلے گرم ولایتوں میں پانی
ٹھنڈا کرنے کی کوئی چیز نہ تھی۔ ہر موسم میں جیسا پانی
ہوتا تھا پی لیتے تھے۔ لوگوں نے سوچتے سوچتے
شورہ نکالا۔ شورے میں ہلانے سے پانی ٹھنڈا
ہونے لگا۔ پھر برف جمانے کی ترکیب نکالی۔ اور
جاڑے کی برف سے گرمی اور برسات کے موسم
میں کام لیا۔ مگر اس کا انتظام ذرا مشکل تھا۔ جبتک
کوئی راجہ یا نواب یا بہت سے سوداگر مل کر اسکا
کھٹا[1] نہیں کرتے جب تک یہ کام نہیں چل سکتا
اب ایک کل ایسی نکلی کہ ایک دفعہ ہزار پانسو کو
خرید لو۔ پھر جہاں چاہو اور جب چاہو۔ اور جتنی چاہو
برف جما لو۔ پہلے رستہ کاٹنے کی کیسی دقّت تھی۔

[1] انتظام۔

گھوڑا - اُونٹ - چھکڑا - بہلی - رتھ - دن بھر میں پندرہ بیس کوس سے زیادہ نہ چل سکتی تھی - جہاں آدمی کو ہزاروں کوس کا سفر کرنا ہوتا تھا - وہاں سینکڑوں ہی روپیوں کا صرف بھی تھا - آدمی چلتا چلتا جُدا ہلکان[۱] ہوجاتا تھا - آگے رستے صاف نہ تھے - چور - اُچکّے - ڈاکو - ٹھگ مسافروں کو لُوٹ لیتے تھے - بیس بیس کوس پانی کی ایک بُوند نہ ملتی تھی - اب دیکھو رستے کیسے صاف ہو گئے - چپّے چپّے کوئیں - نہریں - تالاب بنے ہوئے ہیں - رستہ لوٹنے والوں کا کہیں نام نہیں - پہلے کلکتے سی پشاور تک گھوڑوں کی ڈاک بیٹھی ہوئی تھی - آدمی آٹھ سات دن میں بے تکان ہزاروں کوس پہنچ جاتا تھا - اب اتنی دیر بھی نہیں لگتی - سنتی ہوں کہ ولایت میں ایک ریل گاڑی ایسی نکلی ہے جسمیں ایک لشکر رات دن میں آٹھ سو چالیس میل پہنچ سکتا ہے

---

۱ پریشان - خستہ -

آگے کہیں خبر بھیجنی ہو تو وہ بات کی بات میں ہزاروں کوس پہنچ سکتی ہے سڑک کے کنارے پر جو تار لگا ہوا ہے اس میں خدا جانے کیا طِلسم[1] ہے کہ جسطرح اب میں اور تم باتیں کر رہے ہیں۔ اسی طرح اس سے ہزاروں کوس پر بیٹھے بات چیت کر سکتے ہیں۔ آگے رُوڑکی کا حال جو سُننے میں آیا ہے۔ وہ تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ جو کام سو کاریگروں سے سارے دن میں نہیں ہو سکتا۔ وہاں ایسے ایسے ہزاروں کام ایک چٹکی بجانے میں ہو جاتے ہیں۔ غرض جہاں تک غور کرو گے اسی طرح کی ہزاروں باتیں آدمی کی نکالی ہوئی دیکھو گے۔ یہ بات البتہ جانور میں نہیں ہے۔ اب جو آدمی اپنی عقل سے کچھ کام نہ لے۔ اور جس حال میں ہے اُسی حال میں خوش رہے۔ اُس میں اور جانور میں کیا فرق رہا؟ بلکہ سچ پُوچھو تو وہ جانور سے بھی گیا گزرا ہے۔ کیونکہ جانور میں تو

---

[1] جادو۔

سرے سے عقل ہی نہیں جو اُس سے کچھ کام لے۔ اور اس کے زور سے قدم آگے بڑھائے۔ اور آدمی جو عقل کے ہوتے ساتے ایک بھنور میں پھنس جائے اور ہاتھ پاؤں مار کر باہر نہ نکلے اُس سے زیادہ نکما کون ہوگا؟ اسی واسطے بزرگوں نے کہا ہے کہ جس شخص کے دو دِن یکساں گذر جائیں اُس سے زیادہ ٹوٹے میں کوئی نہیں۔ یعنی آدمی کو چاہیئے کہ ہمیشہ عِلم و ہُنر سیکھنے میں قدم بڑھاتا چلا جائے۔ جو آج معلوم ہے وہ کل نہ تھا۔ اور جو کل معلوم ہوگا وہ آج نہیں۔ واری! بھلا آگے بڑھنا تو درکنار رہا۔ تم تو اور اُلٹے پیچھے ہٹتے جاتے ہو۔ آج تمہارے پیچھے مولوی صاحب ڈیوڑھی پر آئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ سیّد عبّاس نے جو کچھ پڑھا لکھا تھا سب بُھلا دیا آگے سبق پڑھنے بیٹھتا ہے تو عبارت غلط پڑھتا ہے مطالعہ میں ایک حرف نکال کر نہیں لاتا۔ بیٹیا! اگر پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں تو کیا تمہاری غیرت بھی

اُڑ گئی ؟ تم کو یہ شرم نہ آئی کہ آج تک مولوی صاحب نے مجھے ہُوں سے تُوں نہیں کیا۔ لڑکوں میں میری بات بنی ہوئی ہے۔ اگر مولوی صاحب کو غصہ آ گیا اور ہاتھ اُٹھا بیٹھے یا کچھ منہ سے بُرا بھلا کہہ اُٹھے تو میری کیسی شیخی کرکری ہو جائے گی ؟ تم کو یہ خیال نہ آیا کہ میرے بڑوں میں آج تک کوئی جاہل نہیں ہوا اگر میں نے چار حرف نہ سیکھے تو لوگوں کو کیا منہ دکھاؤنگا تم نے یہ نہ سمجھا کہ چار برس کی عمر سے جو میری ماں میرے پیچھے جان کھپا رہی ہے اُسکی محنت کیسی اکارت[1] جائیگی ؟ تم نے یہ نہ دیکھا کہ اب کوئی دن میں میرا بیاہ ہونیوالا ہے اگر اَن پڑھ رہ گیا تو کنبے میں اپنی بیٹی کون دے گا ؟ غرض امّاں جان کی ان باتوں سے میرا یہ حال ہوا کہ شرم کے مارے زمین میں گڑ گیا۔ اُس وقت تو مجھ سے کوئی بات بن نہ آئی مگر اگلے دن جب مولوی صاحب کے ہاں جانے کا

---

[1] بیکار۔ ضائع۔

وقت آیا تو میں نے امّاں جان سے ہاتھ باندھ کر
عرض کیا کہ اگر آپ کو یہ منظور ہے کہ مجھے کچھ آجائے
تو سرکاری مدرسے میں بٹھا دیجے۔ اگر پھر پڑھنے
میں قصور کروں تو جو چاہیے سزا دیجے۔ امّاں جان
کو یہ بات پسند آئی۔ اُسی دن مجھ کو مدرسے میں
بھجوا دیا۔ اب میرا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سے نو بجے
تک تو مولوی صاحب سے عربی اور فارسی پڑھتا
اور اسی میں مسودہ بھی لکھتا۔ نو بجے گھر میں آکر
کھانا کھاتا۔ دس بجے مدرسے چلا جاتا۔ اتوار کے
دن مجھے امّاں جان نے صبح سے دس بجے تک تو
شکار کی اجازت دے رکھی تھی۔ اور دو بجے سے
پانچ بجے تک دریا پر جاکر اسلام بیگ سے تیرنا
سیکھتا تھا۔ پندرہ برس کی عمر تک میرا یہی قرینہ
رہا۔ ریاضی۔ طبیعی۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ انگریزی حاصل کی
اور فارسی میں شاہنامہ۔ سکندر نامہ۔ آئینِ اکبری
وغیرہ۔ اور عربی میں ایک ایک دو دو کتاب فقہ حدیث

تفسیر کی۔ اور الف لیلہ اور نفحۃ الیمن اور تاریخ تیموری وغیرہ ادب میں مولوی صاحب سے پڑھی۔ اور فارسی کی عبارت لکھنی بھی اُنہیں سے سیکھی۔ غرض جو کچھ مجھے آتا ہے یہ اُسی پانچ برس کی کمائی ہے۔ اور اگر سچ پُوچھیے تو سب اتّاں جان کا صدقہ ہے*

نویں مجلس

آنوجی کا بیان

کہتے ہیں کہ سیّد عباس سولھویں برس میں تھا کہ اُسے مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ بات یہ تھی کہ زبیدہ خاتون کے چچا خواجہ کمیل جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بہت مدت سے اُن کی کچھ خیر خبر معلوم نہ تھی تیس پینتیس برس کی عمر میں وہ دِلّی سے نوکری چھوڑ کر کہیں کو چلے گئے تھے۔ اب آکر یہ خبر لگی کہ اُن کا بیٹا خواجہ ہُذَیل نام اورنگ آباد دکن میں موجود ہے۔ یہ خبر کچھ ایسی تحقیق نہ تھی۔ مگر زبیدہ اس کے سنتے ہی بیقرار ہوگئی۔ لوگوں نے ہرچند سمجھایا کہ ایسی ایسی خبروں پر یقین لانا دانائی سے بعید ہے۔ لیکن لہو کا جوش کب مانتا تھا۔ آخر یہ ارادہ ٹھہرا کہ سیّد عباس کو اورنگ آباد

بھیجنا چاہیئے۔ سارا کنبا سمجھا کر بیٹھ رہا کہ پندرہ برس کی جان کو کالے کوسوں بھیجنا کسی طرح مناسب نہیں پر زبیدہ خاتون نے ایک نہ مانی اور یہ کہا کہ یہ تو اس کے سفر کا ایک بہانہ ہو گیا ہے۔ اگر یہ بات بیتش نہ آتی تو بھی میں اُس کو شہر میں ہرگز نہ رکھتی ضرور کسی نہ کسی طرف بھیجتی۔ کیونکہ آدمیت سی چیز شہر کی چار دیواری میں کہیں نہیں آسکتی۔ بیشک اُس کے مدرسہ چھوڑنے کا مجھے بھی افسوس ہے۔ مگر پھر جو دیکھتی ہوں تو کچھ افسوس کی بات نہیں۔ سفر آدمی کا سب سے بڑا اُستاد ہے۔ گویا میں اُس کو ایک مدرسے سے اُٹھاتی ہوں اور دوسرے میں بٹھاتی ہوں۔ یہ کہا اور سفر کی تیاری شروع کی۔ چند روز میں سب سامان لیس[1] کرکے بیٹے کو روانہ کیا غلام امام اُس کی انا کا بیٹا۔ اور اسلام بیگ بندوقچی یہ دونو آدمی اُس کے ساتھ گیے۔ اور چلتے وقت یہ

---

[1] تیار۔

کہہ دیا کہ اگر خواجہ ہذیل اورنگ آباد سے کہیں چلے گئے ہوں تو اُن کو اور شہروں میں بھی تلاش کرنا۔ اور جہاں کہیں ملیں فوراً اُنہیں ساتھ لے کر چلے آنا۔ غرض سیّد عباس اورنگ آباد پہنچا۔ تینوں آدمی ایک سرائے میں جا ٹھہرے اور خواجہ ہذیل کو شہر میں ڈھونڈنا شروع کیا۔ کئی دن کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اسی نام کا ایک شخص یہاں آیا تھا مگر بیس بائیس دن ہوئے کہ یہاں سے ایک قافلہ حج کو گیا ہے۔ وہ بھی اُس کے ساتھ چلا گیا۔ سید عباس نے اُسی وقت حج کا ارادہ کر لیا۔ نقدی اور ضروری کپڑے کے سوا ایک ایک گھوڑا اور ایک ایک بندوق اور رہنے دی اور باقی تمام اسباب وہیں نیلام کر کے سیدھے بمبئی کو ہو لیے۔ چلتے وقت جو انہوں نے حساب کیا تو ابھی حج کے موسم میں چھ سات مہینے باقی تھے سید عباس نے کہا۔ بھئی سو دو سو کوس کا پھیر پڑے تو پڑے لیکن بڑے بڑے شہر جو تیس تیس چالیس چالیس کوس

رستے سے بچے ہوئے ہیں اُن کو بھی ساتھ کے ساتھ
دیکھتے چلو۔ پھر خدا جانے ادھر آنے کا اتفاق ہو یا نہ ہو
اگر خدا کو منظور ہے تو حج کے موسم میں ماموں جان سے
جا ملیں گے۔ غرض وہ اور غلام امام اور اسلام بیگ
تینوں بمبئی کی سڑک سے اُتر کر بائیں ہاتھ کو ہو لیے
دن بھر چلتے۔ شام کو کہیں آبادی دیکھ کر اُتر پڑتے۔
دو ڈیڑھ مہینے تک اِسی طرح دائیں بائیں پھرتے رہے
جب پھرنے سے خوب جی بھر گیا تو بمبئی کا رستہ لیا۔
اِس راہ میں عجب واردات گذری۔ دو تین دن سے
ایک ندّی اُن کے بائیں ہاتھ پڑتی تھی۔ جانا تو اُس کے
پار تھا مگر پار اُترنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ ایک روز چلتے
چلتے جب پہر دن آیا تو کنارے کی زمین کچھ نرم نرم
آنی شروع ہوئی۔ اوپر سے تو بالکل خشک معلوم
ہوتی تھی مگر جہاں گھوڑوں کے قدم پڑتے تھے وہاں سے
گیلی مٹی نکلتی تھی۔ لیکن انھوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ اُسی طرح منہ اُٹھائے[1]

[1] لے پروائی کے ساتھ۔

چلے گئے۔ دفعتہً سید عباس کا گھوڑا دھسن میں جا پھنسا
ایک ایک بالشت اُس کے پاؤں زمین میں دھس گئے
مگر گھوڑا نہایت جاندار تھا ہمک[1] کر نکل گیا۔ آگے اور
زیادہ دھسن تھی۔ اب کے گھٹنوں تک جا رہا۔ اسلام
بیگ اور غلام امام نے تو یہ نقشہ دیکھ کر اپنا گھوڑا
وہیں روک لیا۔ سید عباس کا گھوڑا دوسری بار پھر
ہمکا۔ اور چاروں پتلیاں جھاڑ کر آٹھ دس ہاتھ پرے
جا اُترا۔ لیکن اب کے جو پھنسا پھر نہ نکل سکا۔ انہوں نے
اپنے دل میں کہا کہ گھوڑے کا نکلنا تو معلوم۔ مگر کسی طرح
سید عباس کو نکالنا چاہئے۔ وہاں سے تھوڑی دور
ایک آبادی نظر آتی تھی۔ دونوں نے سید عباس کی
خاطر جمع کر کے گھوڑوں کی باگ اُٹھا دی اور جھٹ پٹ
اُس آبادی میں پہنچکر وہاں سے پانچ سات آدمی اور
کچھ رسّے اور بلّیاں وغیرہ ساتھ لیں اور تیزی سے آئے
یہاں آکر جو دیکھا تو نہ سید عباس ہے۔ نہ گھوڑے کا

---

[1] اوپر کو زور لگا کر۔

پتا ہے۔ مگر ایک کپڑوں کا تھیلا اور کچھ اور اسباب
اِدھر اُدھر پھیلا پڑا ہے۔ اُس کو جا کر جو دیکھا تو سیّد
عباس ہی کا اسباب ہے۔ مگر اسباب والے کا کہیں
نشان نہیں۔ دونوں اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ وہی لوگ
جو اُن کے ساتھ آئے تھے اُنھوں نے کہا تم کیا دیکھتے ہو
بس اپنے رفیق سے ہاتھ اُٹھاؤ۔ اِس دھن میں سے
ہم نے تو آج تک کوئی اُبھرتا دیکھا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے
کہ سوار اور گھوڑا دونو یہیں رہے۔ اور ہم نے تو تم سے
اُسی وقت کہہ دیا تھا کہ جب تک ہم وہاں پہنچیں گے
گھوڑے اور سوار کا پتا بھی نہیں ملنے کا۔ اُن کا یہ کہنا تھا
کہ اِن کے چھکے چھوٹ گئے اور ہوش و حواس بالکل
جاتے رہے۔ اِسلام بیگ تو پھر بھی کسی قدر سنبھلا رہا
پر غلام امام آخر بچہ ہی تھا بے اختیار پھوٹ کر رونے لگا۔
آخر روتے روتے غش آگیا۔ اُسی حال میں اسلام بیگ
اُسے آبادی میں لے گیا۔ بارے وہاں جا کر کچھ ہوش
آیا۔ لیکن کیسا ہوش اور کیسے حواس؟ دو گھڑی چپ

ہو رہتا تھا پھر جب سید عباس یاد آتا تھا۔ آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ اِدھر اسلام بیگ کو یہ فکر تھا کہ اب بیگم صاحب کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ غرض کہاں تک کہوں اگلے دن دونوں اپنا سارا اسباب گاؤں والوں کو دے دلا کر دم نقد[1] وہاں سے چل دیے۔ اور جی میں یہ ٹھان لی کہ وطن اور گھر بار سے ہاتھ اُٹھائیے۔ اور ساری عمر فقیری میں کاٹ دیجے۔ برس دن تک یونہیں مارے مارے اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ آخر ایک قافلہ حج کو جاتا تھا اُس کے ساتھ ہو لیے۔ تین مہینے اُس کے ہمراہ رہے۔ چوتھے مہینے جب حج اور زیارت سے فراغت پا چکے تو جی میں یہ آیا کہ روم میں چل کر چند روز وہاں بسر کیجے۔ اُس وقت اُن کے پاس خرچ کی ایک کوڑی تک نہ تھی مگر خدا کی ذات پر بھروسا کر کے اُسی طرح چل نکلے۔ رستے میں بڑی بڑی سختیاں اُٹھائیں۔ آخر جوں توں کر کے

[1] بغیر اسباب و سامان کے۔

استنبول میں پہنچے۔ تین چار مہینے وہاں رہے۔ اگرچہ وہاں کوئی جان پہچان نہ تھا لیکن اُس شہر میں اُن کا جی کچھ ایسا لگ گیا کہ کسی طرح اُس سرزمین کے چھوڑنیکو دل نہ چاہا۔ ایک دن دونو بازار میں بے خبر چلے جاتے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ سامنے سے ایک لڑکا نوجوان عربی گھوڑے پر سوار گھوڑے کو دُلکی لیے چلا آتا ہے۔ جب قریب آیا تو اُن کو دیکھتے ہی گھوڑے سے کُود پڑا۔ اور گھوڑا سائیس کو دے کر دونو سے آکر لپٹ گیا۔ یہ جو دیکھتے ہیں تو صورت شکل سب سیّد عباس کی سی ہے مگر دل میں سوچتے ہیں کہ ہم کہاں اور سیّد عباس کہاں؟ آخر جب پُوچھا اور اُس نے اپنا نام سیّد عباس بتلایا۔ پھر تو اُن کا یہ حال ہوا کہ دونو کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ بارے[۱] سیّد عباس اُن کو تسلّی دلاسا دے کر اپنے مکان پر لے گیا۔ مکان کو جو جا کر دیکھتے ہیں تو بالکل امیرانہ ٹھاٹھ[۲] ہیں۔ اصطبل میں چار گھوڑے بھی

۱ غرض۔ آخر کار ۲ ساز و سامان

بندھے ہیں۔ دو تین گاڑی بگیاں بھی کھڑی ہیں۔ نوکر چاکر۔ خدمتگار۔ باورچی۔ خانساماں۔ سب اپنے اپنے کام پر مستعد ہیں۔ آگے رہنے کا مکان بھی نہایت پُرتکلف ہے۔ میز۔ کرسی۔ کوچ۔ مسہری۔ جھاڑ۔ فانوس سب کچھ موجود ہے۔ اب یہ حیران ہیں کہ الٰہی یہ خواب ہے یا بیداری ہے! غرض وہاں پہنچتے ہی اول اُنہوں نے یہ پوچھا کہ تم دھسن میں سے کیونکر نکلے؟ اُس نے کہا تم تو وہاں گھوڑے دوڑا کر آبادی کی طرف گئے اور یہاں میرا گھوڑا دھسن میں اُترنا شروع ہوا۔ جب گھوڑا سینے تک دھس گیا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ بس گھوڑے سے ہاتھ اُٹھاؤ[۵] نہیں تو اب کوئی دم میں تم کو بھی لے بیٹھتا ہے۔ یہ کہکر وہیں میں اُسکی کمر سے جدا ہوا۔ مگر میں نے دھسن پر اپنا پاؤں نہیں ٹیکا۔ نہیں تو میں بھی وہیں رہتا۔ میں نے کیا کیا کہ جو کچھ اسباب میرے کمر میں لگا ہوا تھا وہ تو

---

[۵] ناامید ہو جانا چاہیئے۔

جلدی جلدی کھول کر خشکی میں پھینکا - اور ایک
ہاتھ میں بندوق لی اور گھوڑے کے پٹھے پر سے پھسل کر
دھسن میں چت آ کر پڑا - اس سے میرا سارا بوجھ ایک ہی
جگہ نہ رہا بلکہ دور تک پھیل گیا - سخت زمین جہاں تم نے
اپنے گھوڑے روکے تھے وہاں سے پچیس تیس قدم
ہوگی - اب میں نے ہاتھ تو پھیلا لیے اور وہاں سے
لوٹتا لوٹتا خشکی تک جا پہنچا - مگر بیچ میں جہاں ذرا سی
دیر بھی ٹھہر جاتا تھا وہیں دھسنے لگتا تھا - مگر خدا نے
مجھے اُس وقت ایسی پھرتی دی کہ لوٹ پوٹ کر باہر
نکل ہی آیا - کپڑے تمام گارے میں لت پت ہو گئے تھے
میں نے کہا - اتنے تم آبادی سے اُلٹے پھر کر آؤ میں
ندّی پر چل کر کپڑے دھولوں اور نہا بھی لوں - اسباب تو
وہیں چھوڑا اور بندوق ہاتھ میں لے کر ندّی پر آیا -
ندّی کو جو آکر دیکھتا ہوں تو اس زور شور سے جاتی ہے
کہ اُس میں گھستے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے - بات
یہ ہے کہ وہاں کی زمین کچھ نیچی تھی - اس لیے پانی

بہت زور سے آتا تھا۔ مگر یہ لڑکپن بھی آدمی کو خراب کرتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تیرنا تو مجھ کو خوب آتا ہی ہے۔ پانی اگر ایسا ہی زور کرے گا کوس آدھ کوس بہائے جائیگا۔ پھر نکل آؤں گا۔ خدا نے چاہا تو ڈوبنے کا نہیں۔ یہ سوچ کر کپڑوں سمیت ندّی میں کود پڑا۔ مگر پانی کے ریلوں نے ہوش بھلا دیے سات آٹھ کوس تک تو مجھے دم نہ لینے دیا۔ آخر جب کچھ پانی کا زور گھٹا اور میرے اوسان ذرا درست ہوئے تو پرلا کنارا وہاں سے بہت قریب تھا۔ خدا خدا کرکے وہاں پہنچا اور جناب باری کا شکر ادا کیا کہ اُس نے دو بلاؤں سے نجات دی۔ مگر اب یہ سوچتا ہوں کہ تم سے ملوں تو کیونکر ملوں؟ اپنے میں تو اتنا دم نہیں پاتا کہ پھر پانی میں اُتر کر ندّی کے پار جاؤں اور پل یا کشتی کہیں نظر نہیں آتی۔ اِسی تردد میں وہاں بیٹھا ہوا کپڑے سکھا رہا تھا۔ جب کپڑے سوکھ گئے تو کنارے ہی کنارے ناؤ کی تلاش میں چلا۔ مگر کہیں

ناؤ نہ ملی۔ لاچار جب شام ہو گئی تو وہاں سے کوس آدھ کوس پر کچھ آبادی سی تھی وہاں چلا گیا۔ رات وہاں بسر کی۔ صبح کو اُٹھ کر پھر ندّی پر آیا۔ اور خدا کا نام لے کر پانی میں کود پڑا۔ یہاں پانی کا کچھ ایسا زور نہ تھا اور ندّی کا پاٹ بھی کچھ بہت چکلا نہ تھا۔ تھوڑی سی دیر میں اس پار اُتر آیا۔ مگر جہاں تمہیں چھوڑا تھا۔ وہاں میں اور یہاں میں اب کوسوں کا فرق پڑ گیا۔ نو دس کوس تک تو مجھ کو پانی ہی بہا کر لے گیا تھا۔ پانچ سات کوس ناؤ کی تلاش میں بھی گیا ہوں گا۔ غرض صبح سے چلتے چلتے پانچ بجے شام کے قریب وہیں پھر پہنچا پہلے تو دائیں بائیں تم کو دیکھا۔ جب کہیں پتا نہ ملا تو اپنے اسباب کو جا کر ڈھونڈا۔ اُس میں سے بھی کوئی چیز نہ پائی۔ پھر ندّی کے اُسی کنارے پر جہاں اول کپڑے دھونے گیا تھا وہاں پہنچا۔ وہاں میری بندوق اُسی طرح رکھی ہوئی تھی جسطرح میں چھوڑ کر گیا تھا۔ اُس کو وہاں سے اُٹھا کر وہی آبادی جہاں تم گھوڑا

دوڑا کر گئے تھے۔ اُس میں پہنچا۔ وہاں کے لوگوں سے
تمہارا اتنا پتا لگا کہ وہ ایک رات یہاں ضرور رہے تھے
پھر خبر نہیں کدھر کو چلدیے۔ میں پانچ سات روز تک
تو تم کو اُسی نواح میں ڈھونڈتا رہا۔ لیکن جب کہیں
سُراغ[1] نہ پایا تو مایوس ہو کر بمبئی کا رستہ لیا۔ میری
جیب میں جو پانچ سات روپے رہ گئے تھے۔ بس
وہی تو سمجھ لیجیے۔ اِس کے سوا روپیہ پیسا جو کچھ تھا
سب اُسی اسباب کے ساتھ گیا۔ صرف میں تھا اور
میری بندوق تھی یا خدا کی ذات کا سہارا تھا۔ مگر
مجھ کو اللہ کی عنایت سے نہ کسی کی التجا کرنی پڑی
نہ کسی سے کچھ مانگنا پڑا۔ یہی چار پیسے جو میرے پاس
بچ رہے تھے اُس میں سے دو جوڑے تو میں نے
کپڑوں کے بنوا لیے تھے۔ اور کچھ گولی۔ چھرّہ۔ بارود
اور ٹوپیاں خرید لی تھیں۔ اور دو ایک چقماق کی
پتھریاں لے لی تھیں۔ کچھ نمک باندھ لیا تھا۔ ایک

[1] پتہ۔

چاکو مول لے لیا تھا۔ رستے میں جہاں بھوک لگتی ایک آدھ جانور مار لیتا اور اُس کے کباب کر کے کھا لیتا۔ شام کو اگر کوئی آبادی آجاتی تو وہاں ٹھیر جاتا اور نہیں تو کچھ اس کی بھی پروا نہ تھی۔ جنگل ہی میں پڑا رہتا۔ آخر جُوں تُوں کر کے بمبئی پہنچا۔ وہاں میرے پاس اور خرچ تو کیا تھا ایک بارود چھرّہ تھا سو وہ بھی تمام ہو چکا۔ میں نے اپنی بندوق پچاس روپے کو دے ڈالی اور ایک دوکان میں جا ٹھیرا۔ دو چار کپڑے عزت کے بنوائے۔ ایک خدمتگار نوکر رکھا۔ اور اپنی حیثیت درست کر کے وہاں کے عمدہ لوگوں سے ملنا شروع کیا۔ وہاں شیخ فاروق نامی ایک تاجر یمنی بہت بڑے دولتمند ہیں۔ اور اُن کے اخلاق اور علم و فضل بھی وہاں ایک ایک کے زبان زد تھے۔ رفتہ رفتہ وہاں بھی پہنچا۔ اُنھوں نے میری بہت خاطر داری کی۔ اور چلتے وقت بہت تاکید سے کہہ دیا کہ جب تک یہاں رہو ہم سے ضرور

سے ملتے رہنا اور میرا پتا نشان بھی سب پوچھ لیا شام کو دیکھتا کیا ہوں کہ اُن کا آدمی کھانے کا خوان مزدور کے سر پر رکھوائے لیے چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پوچھتا پوچھتا میرے ہی پاس آن پہنچا۔ اور مجھ کو اپنے سامنے کھانا کِھلوا کر چلتے ہوئے یہ کہہ گیا کہ آپ جب تک یہاں رہیں اپنے لیے کھانا نہ پکوائیں۔ کھانا آپ کے لیے دونو وقت وہیں سے آیا کرے گا۔ جب میں نے اُن کی طرف سے اِس قدر مدارات دیکھی۔ اب تو مجھے اُن کے ہاں روز جانا پڑا۔ اگلے دن جو وہاں جانے کا اتفاق ہوا تو وہ اُس وقت ایک تین نگینے زمرد کے ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے اور اپنے داروغہ سے یہ پُوچھ رہے تھے کہ یہاں کون کون سے آدمی مُہر کھودنے میں اُستاد ہیں؟ میں نے کہا۔ آپ کو کیا کھدوانا منظور ہے؟ اُنھوں نے کہا یہ تینوں نگ میرے پاس زبید سے آئے ہیں۔ اور جنھوں نے

یہ بھیجے ہیں اُن کا نام حسن اور اُن کے چھوٹے
بھائیوں کا نام محسن اور احسن ہے - اِن پر یہ تینوں
نام کھُدیں گے - اور اِن دنوں ایران سے ایک
بہت بڑے خوشنویس وہاں گئے ہوئے ہیں -
اُن سے لکھوا کر تینوں ناموں کا نمونہ بھیجا ہے اور
یہ چاہتے ہیں کہ اُس کے موافق نام کھُد جائیں -
اِس میں سرِ مو فرق نہ ہو - میں نے کہا - پھر کسی
مہرکن کو بُلوا کر دکھائیے ؟ اُنہوں نے اُسی داروغہ کو
بھیج کر ایک مہرکن کو بُلوایا - اُس نے نمونہ کو دیکھ کر
پہلے تو انکار کیا کہ ہم سے ایسے حرف نہیں کھُد سکتے
پھر کہنے لگا کہ اگر ایک اشرفی حرف دیجیے تو اپنی طرف سے
جہاں تک ہو سکیگا اِس میں محنت کی جائے گی -
اُنہوں نے کہا اِس سے کچھ کم بھی لوگے ؟ کہا اگر ایک
روپیہ حرف بھی کم دیجیگا تو نگوں کے بگڑنے کا میں
ذمہ دار نہیں ہونے کا - بگڑیں تو آپ کے اور سنوریں تو
آپ کے - غرض اُس سے تو معاملہ نہ بنا - جب وہ

چلا گیا۔ میں نے اُن کے آدمیوں سے پُوچھا کہ یہاں کوئی اور مہرکن بھی ہے؟ اُنہوں نے کہا۔ صاحب! اِس سے بہتر اِس شہر میں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ مگر ایک کشمیری چند روز سے آیا ہوا ہے۔ اُس کی بہت دھوم سُنتے ہیں۔ اگر کہیئے تو اُس کو بُلا لائیں؟ میں نے کہا کشمیر کے مہرکن تو عالَم میں مشہور ہیں۔ بیشک وہ اُستاد ہوگا۔ اُسی کو لاؤ۔ آدمی تو اُسے لینے گیا اور میں نے ایک چاقو لے کر اُس نمونے کے تینوں ناموں میں سے نون کے نقطے چھیل ڈالے۔ اور اُنہیں حرفوں کے موافق قلم بنا کر محسن کا مجش بنا دیا اور حسن کا جش اور احسن کا اجش۔ شیخ نے جو دیکھا گھبرا کر کہنے لگے کہ ہا! تم نے یہ کیا غضب کیا؟ میں نے کہا۔ آپ کے حرف تو میں نے بگاڑے ہی نہیں نقطے البتہ بدل ڈالے ہیں۔ سو میں آپ کا مہمان ہوں میرا یہ قصور معاف فرمائیے۔ وہ ہنس کر مجھ سے پُوچھنے لگے کہ سچ کہو یہ بات کیا ہے؟ میں نے کہا۔ ذرا مہرکن کو

آ لینے دیجے۔ دیکھیے اِس کا حال ابھی آپ پر کھلا جاتا ہے۔ وہ اُس کاغذ کو اُٹھا کر بہت دیر تک غور سے دیکھتے رہے۔ مگر کچھ اُنکی سمجھ میں نہ آیا۔ اتنے میں مہرکن بھی آگیا۔ اُس کو تینوں نگ اور نمونہ دِکھایا گیا۔ وہ حقیقت میں بہت بڑا اُستاد تھا اُس نے نمونے کو دیکھتے ہی بتا دیا کہ یہ حرف تو کسی بڑے کامل اُستاد کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر نقطے اُس کے ہاتھ کے نہیں معلوم ہوتے۔ غرض اُس سے جو پوچھا تو اُس نے بھی وہی اشرفی حرف کہا۔ میں نے کہا۔ جب ایک حرف کی ایک اشرفی ہوئی تو کم سے کم فی نقطہ ایک روپیہ تو ہونا چاہیئے۔ کہا۔ اِس میں کچھ شک بھی ہے؟ اِن حرفوں کے مطابق نقطے لگانے کچھ ہنسی کھیل نہیں ہیں۔ میں نے کہا جتنے نقطے ہم اِس میں سے کم کر دیں گے۔ اُتنے روپے بھی مُجرا دو گے؟ وہ سمجھا کہ شاید یہ ہنستے ہیں کہا۔ آنکھوں سے۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ اب

آپ اِن تینوں لفظوں کے حرف تو گن لیں۔ اور تینوں نگ اور یہ نمونے لے جائیں۔ اور نقطے ابھی نہ لگائیگا۔ اِن تینوں لفظوں میں اٹھارہ نقطے ہیں اِن میں سے جتنے کم کیے جائیں گے۔ اُتنے ہی روپے تمہاری اجرت میں سے کاٹ لیے جائیں گے۔ اُس نے کہا۔ بہت اچھّا۔ اور وہ تینوں نگ اور نمونے لے کر چل دیا۔ جب وہ چلا گیا۔ میں نے شیخ سے کہا۔ لیجیے حضرت! میں نے آپ کے تین نقطے چھیل کر چار اشرفی کی بچت کرا دی۔ کہا۔ کیونکر؟ میں نے کہا۔ نون کے نقطے اُڑانے سے ایک ایک حرف تو تینوں ناموں میں سے کم ہو گیا۔ تین اشرفیاں تو یہی بچیں۔ اب جس وقت وہ مہریں کھود لائے گا اُس سے کہدیا جائیگا کہ اِن اٹھارہ نقطوں میں سے ایک ایک نقطہ شین کے دائروں میں لگا دو۔ اور پندرہ نقطے جو باقی رہے اُس کے پندرہ روپے مجرا دو۔ پہلے آپ کو گیارہ اشرفیاں دینی پڑتیں اب سات ہی دینی پڑیں گی

شیخ خدا کے فضل سے جیسے دولتمند ہیں ویسے ہی سیر چشم بھی ہیں۔ سو ان کو ایسی بچت کا تو کیا خیال ہوتا۔ ہاں مگر یہ لطیفہ اُن کو نہایت پسند آیا لیکن اس کے سوا خدا تعالیٰ نے میری زبان سے اُن کا ایک اور بڑا فائدہ کرا دیا۔ اُس پر البتہ وہ نہایت خوش ہوئے۔ بات یہ ہے کہ اُن کے ہاں اکثر کپڑے کے جہاز ولایت سے آیا کرتے ہیں۔ اگر اُن کو خاطر خواہ نفع مل جاتا ہے تو تو وہ یُونہیں بھرے کے بھرے بمبئی والوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور نہیں تو سیدھے کلکتے بھیج دیتے ہیں۔ وہاں جا کر اچھی طرح بک جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک جہاز کے آنے کی خبر تھی۔ اُس کا بیجک تو اُن کے پاس آگیا تھا مگر ابھی جہاز نہیں آنے پایا تھا کہ خریداروں کا ہجوم ہوا۔ اکنی روپے پر لینے کو بہت سے گاہک آئے مگر انھوں نے کہا کہ میں دونی روپیہ سے کم کو ہرگز نہیں دینے کا۔ میں نے کہا۔

آپ کیا غضب کرتے ہیں ؛ یہاں کے تھوڑے
نفع کو بھی بہت سمجھنا چاہیئے ۔ دریا کا مقدمہ ہے
خدا جانے کیا اُفتاد پڑے ؛ اور میرے نزدیک تو
آپ ہمیشہ اَونے پَونے کرکے جہاں تک ہوسکے
یہیں دے ڈالا کیجے ۔ اگرچہ اُن کی مرضی تو نہ تھی
مگر وہ میرا لحاظ بہت کرنے لگے تھے ۔ میری خاطر سے
اُنھوں نے اُسی وقت اکنّی روپیہ پر سودا کرلیا۔
اُس میں پچاس ہزار روپیہ کا کپڑا تھا ۔ اور کچھ اوپر
تین ہزار روپے منافع کے ہوئے ۔ کُل روپے کی
طرف سے تو اطمینان کرلیا ۔ اور کپڑے کا بیچک
خریدار کے حوالے کیا ۔ خدا کی قدرت جب عدن سے
جہاز چل لیا اور اُس کو چلے ہوئے چار دن بھی
گذر گئے دفعتہً یہ خبر آئی کہ جہاز ڈوب گیا ۔ آدمی تو
کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر سب نکل آئے ۔ مگر مال
جس قدر تھا سب جہاز کے ساتھ غرق ہوگیا ۔
شیخ نے یہ خبر سُنکر خریدار کے حال پر بہت تاسف

کیا۔ مگر اس بات کا نہایت شکر ادا کیا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے مال پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے دی۔ جس وقت یہ خبر آئی میں بھی اُنہیں کے ہاں موجود تھا۔ مجھ سے کہنے لگے حضرت! یہ آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ میں یہ کلمہ سنکر شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ اور میں نے یہ کہا کہ سچ ہے آپ بجا فرماتے ہیں۔ مجھے واقعی الہام ہوا تھا کہ یہ جہاز عدن سے آگے نکل کر غرق ہو جائیگا اے حضرت! خدا خدا کیجیے۔ جب اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ آپ کا مال تلف نہ ہو۔ اگر میں نہ کہتا آپ کے دل میں خود یہ بات پڑ جاتی۔ اور ایسی بات آپ کی زبان سے نکلنی نہایت بعید ہے۔ آدمی کو نفع نقصان جو کچھ پہنچتا ہے سب خدا کی طرف سے ہے۔ پھر اُس کے کام کو بندے کیطرف نسبت کرنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ اِس بات سے میری جگہ اُن کے دل میں بہت ہو گئی۔ اسی طرح

ولایت سے ایک سوال آیا تھا کہ ہندوستان کی شائستگی کون کون سی بات پر موقوف ہے اور زیادہ تر سرکار کی توجہ پر موقوف ہے یا ہندوستانیوں کی کوشش پر؟ اس کا جواب اُنھوں نے مجھ سے لکھوا کر بھیجا تھا۔ خدا کی عنایت سے وہ جواب کچھ ایسی نیک گھڑی لکھا گیا کہ اُنھوں تو نہایت ہی پسند کیا مگر ولایت سے بھی اُس کی تعریف اخبار میں چھپی ہوئی آئی۔ غرض قصہ مختصر چار مہینے مجھکو وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ پانچویں مہینے جب حج کا موسم آیا۔ میں نے شیخ سے اجازت چاہی اُنھوں نے کہا۔ حج کے بعد کہاں کے ارادے ہیں میں نے کہا۔ روم جانے کا ارادہ ہے۔ اُنھوں نے دس ہزار روپیہ دے کر مجھ کو رخصت کیا۔ میں وہاں سے اول مکہ معظمہ میں آیا ایک مہینے وہاں رہا۔ حج سے فراغت پاکر مدینہ منورہ گیا۔ سوا مہینے کے قریب وہاں رہا۔ وہیں ماموں جان سے بھی

ملاقات ہو گئی (غلام امام نے پوچھا۔ وہ کہاں ہیں؟ اُس نے کہا۔ یہیں ہیں۔ اِس وقت بازار گئے ہیں گھڑی آدھ گھڑی میں آجائیں گے) وہاں سے میں اور ماموں جان استنبول میں آئے۔ یہاں آتے ہی یہ خبر سُنی کہ سلطان کے ہاں ایک خدمت ترجمانی کی کئی برس سے خالی ہے اور دو ہزار روپے مہینا اُس کی تنخواہ ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اتنی مدت تک خالی رہنے کا کیا سبب؟ اُنہوں نے کہا۔ اُس میں شرط یہ ہے کہ جو شخص کم سے کم پانچ زبانیں جانتا ہو وہ اِس خدمت پر مقرر ہو سکتا ہے۔ اور وہ پانچ زبانیں یہ ہیں ترکی۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ میں نے یہ خبر سُنتے ہی ترکی سیکھنی شروع کی۔ چھ مہینے برابر رات دن محنت کر کے تقریر میں تو خوب مہارت پیدا کر لی۔ اور تحریر میں بھی بُری بھلی طرح اپنا مطلب ادا کر لیتا ہوں۔ اور پانچ چار

مہینے فرانسیسی زبان سیکھی مگر یہ زبان ایسی نہ تھی کہ پانچ چار مہینے میں آجاتی - میں نے خدا کا نام لے کر یہ درخواست دے دی کہ چار زبانوں میں تو میں اِس وقت امتحان دے سکتا ہوں اور فرانسیسی بھی اگرچہ کسیقدر جانتا ہوں مگر اُس میں امتحان نہیں دے سکتا - میں چاہتا ہوں کہ جو زبانیں مجھے آتی ہیں اُن میں میرا امتحان ہو کر یہ اسامی تو بالفعل میرے نام زد ہو جائے - اور چھ مہینے کی مہلت مل جائے - اِس کے بعد میں فرانسیسی زبان میں بھی امتحان دے دُوں گا دربار میں پہنچتے ہی میری درخواست منظور ہو گئی اور بعد امتحان کے اُس اسامی پر مجھ کو مامور کردیا فرانسیسی زبان میں ابھی امتحان نہیں ہوا - اسی سبب سے تنخواہ بھی پوری نہیں ملتی - مگر خدا کی عنایت سے اس میں بھی مجھ کو خاصی دستگاہ ہو گئی ہے - لیکن ابھی چھ مہینے نہیں گزرے -

کچھ دن اور ایک پڑھنا باقی ہے۔ اس کے بعد
امتحان ہوگا۔ غلام امام اور اسلام بیگ یہ باتیں
سُن کر ایسے خوش ہوئے کہ سفر کی تکلیفیں اور
جُدائی کے صدمے بالکل بھول گئے۔ دم بدم
خدا کا شکر ادا کرتے تھے اور اُس کی خدائی پر
دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ خداوندا! اگر
تو ہم کو سرخرو نہ کرتا تو ہمارا منہ اس قابل نہ تھا
کہ گھر والوں کو جاکر اپنی شکل دکھاتے۔ تو نے
ہم کو دُنیا میں بسا لیا اور ہمارے دُکھتے دلوں کی
دُعا سُن لی۔ اس کے بعد غلام امام نے کہا
کیوں جی! بیگم صاحب نے آپ کو اسی لیے
بھیجا تھا کہ ماموں جان کو لے کر استنبول چلے جانا
اور وہاں امتحان دے کر ترجمانی کی نوکری
کر لینا؟ سید عباس نے مسکرا کر کہا۔ بیشک
ہم سے قصور تو بہت بڑا ہوا۔ مگر امید ہے کہ
امّاں جان ضرور معاف کر دیں گی۔ اب میرا

ارادہ ہے کہ اپنا سارا حال امّاں جان کو لکھ بھیجوں۔ اور خرچِ راہ بھیج کر اُن کو یہیں بلا لوں۔ حج کا ارادہ تو اُن کا مدت سے تھا ہی اب یہ خاصا موقع نکل آیا۔ مگر تم دونوں صاحبوں کو وہاں جانا پڑے گا۔ اور یقین ہے کہ ماموں جان بھی تمہارے ساتھ تشریف لے جائیں۔ اُنہوں نے کہا۔ ہم کو کیا عُذر ہے جس وقت آپ کہیں اُسی وقت ہم چلنے کو تیار ہیں؟

غرض سیّد عباس نے دو مہینے کے بعد اِسلام بیگ اور غلام اِمام اور خواجہ ہُذَیل کو ہندوستان کی طرف چلتا کر دیا۔ اور وہ زبیدہ خاتون کو دلّی سے لے کر عرب کو چلے گئے۔ اوّل حج کیا پھر مدینہ شریف کی زیارت کی۔ وہاں سے اُستنبول کا رستہ لیا۔ جب زبیدہ خاتون وہاں پُہنچ گئی۔ چند روز کے بعد سیّد عباس کی

شادی ایک بہت بڑے امیر کی بیٹی سے ہوگئی سب نے وہیں کا رہنا اختیار کر لیا۔

بس یہ قصہ تمام ہوا۔ خدا تعالیٰ ہر ایک اولاد کو ایسی ماں اور ہر ایک ماں کو ایسی اولاد عنایت کرے۔ آمین ٭

تمام شد

۲ - مجالس النساء (ہر دو حصہ) مولانا مرحوم کی اولین تصنیف جسمیں لڑکیوں
اور لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے نظام کا خاکہ ایک نہایت دلچسپ قصہ کے پیرایہ میں کھینچا گیا ہے
لیکن خاصکر مائیں اسکو سبق آموز پائیں گی - دلچسپ اور مفید ہونے کے علاوہ آسان
اور سنجیدہ اردو نویسی کا یہ کتاب عمدہ نمونہ ہے - قیمت ہر دو حصہ عا

۳ - مجموعہ نظم حالی - مولانا کی دلچسپ اور نصیحت خیز ۸ا نظموں کا مجموعہ - قیمت عہ

۴ - مناجات بیوہ - اسمیں ہندوستان کی بیواؤں کی حالت زار کا نقشہ نہایت
درد انگیز پیرایہ میں کھینچا گیا ہے - قیمت ۴ر

۵ - مثنوی حقوق اولاد - اس میں اولاد کی باقاعدہ تعلیم و تربیت نہ کرنیکے
ہولناک نتائج ایک دلچسپ قصہ کے پیرایہ میں نظم کیے گئے ہیں - قیمت ۴ر

۶ - شکوہ ہند - مسدس حالی کے درجہ کی نہایت بینظیر نظم - جسکے پڑھنے سے مسلمانوں کے
عروج و زوال اور اُنکے تمام اخلاق فاضلہ کا نقشہ آنکھوں کے آگے پھر جاتا ہے - قیمت ۳ر

۷ - چپ کی داد - مستورات کی عام اخلاقی خوبیاں - مثلاً حیا و شرم عفت و عصمت
صبر و تحمل محنت و جفاکشی اور خدمت و طاعت وغیرہ کا بیان دلفریب اور سلیس نظم میں - قیمت ۲ر

۸ - ضمیمہ کلیات نظم اردو - مولانا حالی مرحوم کا فارسی اور عربی نظم و نثر کلام -
جس سے ان دونوں زبانوں میں آپکی قادر الکلامی معلوم ہوتی ہے - یہ ضمیمہ مولانا مرحوم کی
وفات سے چند روز پہلے شائع ہو گیا تھا مگر عام طور پر مشتہر نہیں ہوا - قیمت ۸ر

۹ - مقدمہ شعر و شاعری - دیوان حالی کا یہ مقدمہ فن شعر پر نہایت محققانہ
اور عالمانہ تصنیف ہے جسمیں تمام اصناف سخن پر نہایت خوش اسلوبی سے بحث کی گئی ہے - عام مروجہ
شاعری کے عیوب اور شعرائے ماضیہ کے کلام پر پہلو بہ پہلو دیکھنا ہو تو اسے منگائیں - قیمت ۸ر

۱۰ - دیوان حالی - طرز جدید کی شاعری کا بہترین نمونہ - قومی - علمی اور
اخلاقی نظموں کا بیش بہا اور بے نظیر مجموعہ - قیمت ۸ر

۱۱- مکتوباتِ حالی - مولانا مرحوم کے خطوط جو انہوں نے اپنے اعزہ وا
کو لکھے ہیں - علاوہ دلچسپ اور سبق آموز اور اُردو انشا پردازی کا نمونہ ہونے کے
یہ خطوط مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی لائف اور کیرکٹر پر کافی روشنی ڈالتے ہیں - قیمت سے

۱۲- تریاقِ مسموم - یہ کتاب مولانا نے اپنے ایک ہموطن (پادری عماد الدین)
کی کتاب کے جواب میں لکھی تھی جو مسلمان سے عیسائی ہو گئے تھے - اس میں اُ
تمام اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں جو عیسائیوں کی طرف سے عام طور پر اسلام
برخلاف کیے جاتے ہیں -

۱۳- مسدسِ حالی - زمانہ حال کی بہترین قومی نظم اور مسلمانوں کے عروج و
نہایت پُر اثر خاکہ -

۱۴- حیاتِ سعدی - حضرت سعدی شیرازی کی مفصل سوانحعمری اور
اُن کی شاعری پر زبردست اور فاضلانہ تبصرہ - قیمت ۲؍

۱۵- سوانحعمری حکیم ناصر خسرو (فارسی) حکیم ناصر خسرو بلخ کا نہایت مشہور
حکیم - فیلسوف اور سیاح تھا - پانچویں صدی ہجری میں گذرا ہے - مولانا نے اس
فاضل حکیم کی سوانحعمری نہایت تحقیق سے لکھی ہے -

۱۶- یادگارِ غالب - مرزا اسد اللہ خاں غالب کی بہترین اور
مفصل سوانحعمری اور اُنکی تمام اُردو و فارسی نظم و نثر پر مبسوط ریویو - قیمت سے

۱۷- حیاتِ جاوید - آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں کی مفصل اور ضخیم سوانحعمری
اور اُنکے تمام عظیم الشان کارناموں اور کل تصنیفات کا تفصیلی تذکرہ - قیمت للہ

المشتہر

(خواجہ) فرزند علی منیجر حالی پریس پانی پت